عدد ۳	ماہ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۴ء	جلد ۳۴

مضامین

شذرات

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین بڑی خوبی کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اشخاص و افراد کی طرح قومون کی بھی عمرین ہوتی ہین، وہ بھی پیدا ہوتی ہین، جوان ہوتی ہین، بوڑھی ہوتی ہین، اور مرجاتی ہین، دنیا کی تمام تاریخین اس نظریہ کے ثبوت مین ہین، اور کہا جاسکتا ہے، کہ اب فلسفۂ تاریخ کا یہ مسلّمہ مسئلہ ہے،

لیکن اگر زیادہ دقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ اقوام کے ان مختلف دورون مین ان کی زندگی کے خصوصیات و لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہین، بچپن مین ان کی خواہشین بچون کی سی ہوتی ہین، جوانی مین جوانون جیسی اور بڑھاپے مین بوڑھون کی طرح، ان اقوام کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی نوعمرون ہی کی تعلیم و تربیت کے مماثل ہوتے ہین،

قوم کے مصلح، قوم کے معلم ہوتے ہین، کامیاب معلم وہی ہے جو تعلیم و تربیت کے ان فطری اصول کی پیروی کرتا ہے، جسطرح استادون کو اس کی ضرورت ہے کہ طلبہ کو صبح خیزی، ورزش اور جد و جہد کی عادت دلائین، اور اُن کو آرام طلبی، راحت جوئی، وضعداری، اور فیشن پرستی سے باز رکھین، اسی طرح قوم کے مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو عیش پرستی آرام طلبی اور تعطل سے باز رکھکر محنت جد و جہد اور دوڑ دھوپ مین مصروف رکھے، اور اسی سے اسلام کے جہاد کی حقیقت اہل بصیرت پر روشن ہوگی،

استادون کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچون سے ایک کام کو شروع کرا کر، دلجمعی اور استقلال کے ساتھ اسکو اُن سے پورا

کرادے، تاکہ ان مین عزم و استقلال پیدا ہو، اور ایک کامیابی سے دوسری کامیابی کی ہمت بڑھے، اور حوصلہ بڑھے، ایسے ہی قوم کے مصلح کا فرض ہے کہ قوم کے سامنے جب کوئی تجویز پیش کرے، تو اس پر عمل فورًا شروع کرادے، اور جیسے بنے اس سے اس کام کو پوری مستعدی اور جوش و خروش کے ساتھ سرانجام کرائے، تاکہ ایک کامیابی کے نشہ مین وہ دوسرے کام کو پورے زور کیساتھ کر سکے، اور اس طرح اس کا عزم پختہ، استقلال مضبوط، ہمت بلند اور حوصلہ بڑھتا رہے، اگر اس اصول کی پیروی نہ کیجائیگی تو قوم کا عزم روز بروز کمزور، استقلال مفقود، ہمت پست اور حوصلہ فنا ہوتا رہیگا،

ہندوستانی مسلمانون کی موجودہ قومی تعلیم و تربیت کے دور مین اس اصول کی سب سے کم پروا کیگئی، بلکہ انجمنون اور کانفرنسون نے جو ان کی تعلیم و تربیت کیلئے بنائی گئی تھین سب سے زیادہ ان کو نکمّا اور سست بنانے مین مدد دی، انھون نے اپنی قوم کی یہ عادت ڈلوائی کہ وہ بڑی بڑی تجویزون کے ذریعہ جنکا اصطلاحی نام "ع بر عکس نہند نام زنگی کافور" "رزولیوشن" یعنی "اظہار عزم" رکھا، اگر عملًا اس کے معنی بات بنانے کے قرار دئیے، نتیجہ یہ ہوا کہ قوم باتونی تو ہوگئی، مگر کامی نہ ہوئی۔

ہر انجمن اور کانفرنس کی روداد ان "قومی عزائم" کی فہرست سے معمور ہے، مگر جہانتک عمل کا سوال ہے ان مین سے ہر ایک ہمارے قومی ضعف، روحی انحطاط اور اخلاقی کمزوری کا ایک ایک قدم ہے، مسلمانون کی اگلی تاریخ کو چھوڑیئے، خود ہندوستان مین ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء مین اسکا مشاہدہ ہوا، اور روسی اشتراکیون اور کمالی ترکون نے اپنے پنج سالہ پروگرامون کے ذریعہ دکھادیا کہ قومون کی تعلیم و تربیت کس طرح ہوتی ہے، اسی ایک نکتہ سے احکام قرآنی کے بتدریج نزول کی حکمت سمجھ مین آسکتی ہے، قرآن کا مقصد دنیا مین ایک عملی قوم پیدا کرنا تھا محض نظری و خیالی نہین،

قومون کی تعلیم و تربیت کا بڑا راز یہ ہے کہ جو بات جماعتی و اجتماعی حیثیت سے انکی زبان سے نکلوائی جائے، اسکو کرکے چھوڑا جائے، تاکہ اُن کے حوصلہ کا ہر قدم آگے بڑھتا رہے، اور انکی زندگی کا سرچشمہ جوش مارتا رہے، اس عہد کا سب سے بڑا ہندو مصلح

ٹھیک اسی اصول پر گامزن ہی، مگر مسلمان مصلحون کے طریقۂ تعلیم پر ذرا غور کرو کہ جنگ بلقان، جنگ طرابلس، واقعۂ کانپور، مسلم یونیورسٹی، جنگ عظیم، مسئلۂ خلافت، مسئلۂ مقامات مقدسہ، مسئلۂ آزادی کس اہم مقصد پر ان کے مورچے مضبوطی کے ساتھ گاڑے گئے، اور انکو کامیاب بنا کر چھوڑا گیا، اب تک یہی عمل جاری ہی آج ایک بات اٹھائی گئی، اور کل وہ بھلوا دیگئی، نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز مسلمانون کے حوصلے پست ہمتین ضعیف اور ارادے کمزور ہوتے جارہے ہین، اور ان مین کسی ایک مورچہ پر جم کر لڑنے کا مادہ اب تک پیدا نہین ہوا،

تعلیم و تربیت کا دوسرا اصول یہ ہی کہ انفرادیت فنا کرکے جماعتیت پیدا کیجائے، اور بار بار کے تجربون سے طالبعلمون کو مشاہدہ کرادیا جائے کہ جماعتی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہی، اور انفرادیت اس طاقت کی زندگی کیلئے زہر قاتل ہے، اسکولون اور کالجون کے تمام کھیل، اسی اصول کی تعلیم اور مشق کیلئے ہین، بوڑھی قومین جب فنا ہونے لگتی ہین تو انکی موت کے جراثیم اسی انفرادیت کی آب و ہوا مین پرورش پاتے ہین جس کے نتیجہ کے طور پر ان مین خود غرضی، عدم ایثار، ذاتی اعزاز کی طلب، اور قومی خیانت پیدا ہو جاتی ہی، اسلام کی ہر عبادت مین جماعت کی تعلیم اسی اصول کی حفاظت کے لئے ہے،

آج قومون کے مصلح اسی جماعتی قوت کی تعلیم کے لئے ایک روز اور وقت مقرر کرکے کبھی ہڑتال، کبھی جلوس، کبھی جلسۂ عام، کبھی قومی روزہ و ہفتہ اور کبھی قومی عید اور تہوار منانے کی مشق کراتے ہین، مدت معینہ مین مقررہ چندہ کی مقدار فراہم کرنے کی تجویز بھی اسی اصول تعلیم کا ایک سبق ہے، کیا مسلمان قوم کے موجودہ مصلحون سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ ان کی قوم اس سبق کو کہان تک یاد کرسکی، ایسی حالت مین ایسے اجتماعات عامہ کا اعلان کرا کر ان کا پورا نہ کرانا مسلمانون کے مرض کو کس تیزی سے بڑھا رہا ہے، یا تو بغیر کافی استعداد اور تیاری کے قوم کے منہ سے کوئی بات نکلوائی نہ جائے، اور نکلوائی جائے تو جس طرح ہو پوری کرائی جائے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو قومی ضعف، عزم انحطاط قوتی، اضمحلال روح کو پیدا کرکے اس کو موت کے منہ مین ڈھکیل دیتا ہے،

مقالات

قلعۂ جدید و چمن،

۲ر نومبر ۱۹۳۳ء

بلدیۂ قندھار کی دعوت سے معذوری

قندھار کے بعض معززین کا خیال تھا کہ یہان کی بلدیہ (میونسپلٹی) کی طرف سے ہم کو دعوت چائے دیجائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ کم از کم ایک روز اور ٹھہرین، لیکن قرب وطن کے شوق نے صرف ایک دعوت چائے کی خاطر ایک روز کی قربانی گوارا نہ کی، سرور خان گویا نے بہت اصرار کیا، مگر معذرت ہی کرنی پڑی، اور یہی طے پایا کہ آج ۲ر نومبر کی صبح کو قندھار سے روانگی ہوگی،

قندھار کے باہر

قندھار کے باہر بھی بعض عمارتین اور شاہی و عمومی باغ ہین، جنمین سے بعض خاص طور سے مشہور ہین، مگر وقت کی تنگی کے سبب سے ان کو دیکھنے کا موقع نہ ملا،

دفاتر

سرکاری دفاتر کی عمارتون مین بھی جانے کا اتفاق نہ ہوا، سنا ہے کہ دفاتر کی عمارتین اچھی ہین، مگر ابھی ان کی تنظیم موجودہ متمدن نظام پر نہین ہوئی ہے، ایک قاضی ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ فصل مقدمات کا طریقہ جس قدر ابتدائی ہوتا ہے، اسی قدر مقدمات کم اور اپنی طبعی صورت مین ہوتے ہین، اور جس قدر ان کی ترتیب و تنظیم اور قواعد و قوانین کی پرپیچ راہین اختیار کیجاتی ہین، اسی قدر نزاعات اور پیچیدہ مقدمات کی کثرت ہوتی جاتی ہے، ہندوستان مین اس کا مشاہدہ ہر انسان کرسکتا ہے،

پروانۂ راہداری کی تصدیق

جن لوگون کے پاس ہندوستان سے افغانستان جانے کے پاسپورٹ ہون ضرورت ہے کہ واپسی کے وقت واپسی کی اجازت اور تصدیق افغانی و برطانی دفاتر مین کرالین، ہم نے آسانی کے خیال سے کابل

ہی مین اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا، چنانچہ پہلے افغانی دفتر نے اور پھر برطانی سفارت نے اس کی تصدیق کر دی،

"برائے رفتن ہندوستان، از راہ قلعۂ جدید قندھار"

اس کے بعد "برٹش لیگیشن کابل" نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی،

جو لوگ کابل سے یہ تصدیق نامہ اپنے ساتھ نہ لائین، ان کے لئے ضرورت ہے کہ وہ قندھار مین برٹش کونسل اور حاکم قندھار کے دفتر سے اپنے پاسپورٹون پر یہ تصدیق کرالین، ورنہ اُن کو افغانستان سے نکلنے اور ہندوستان مین داخل ہونے کی اجازت نہ ملے گی،

قندھار سے روانگی

آٹھ بجے صبح کو چائے اور ناشتہ سے فرصت کر کے قندھار سے روانگی کا سامان ہونے لگا، ہواری مین وہی موٹر تھی، جسپر کابل سے اب تک مین اور ڈاکٹر صاحب بیٹھکر آئے تھے، یہ اچھی خاصی، وسیع اور نہایت آرام دہ موٹر تھی، کہہ چکا ہون کہ افغانستان سے ہندوستان آنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ برطانوی کونسل کے ایک فارم پر حسب ذیل امور کی خانہ پُری کر کے وہان پیش کرنا ہوتا ہے، موٹر کا نمبر، موٹر کے کارخانہ کا نام، مدتِ استعمال موجودہ کیفیت، موٹر کے مالک کا نام، شوفر کا نام اور اسکی سند اجازت وغیرہ، جس موٹر پر ہم سوار ہوکر آئے تھے وہ ہندوستان پہلے بھی آچکا تھا، اس لئے اسکا مذکورۂ بالا فارم برطانوی کونسل کا پہلے ہی پاس کیا ہوا موجود تھا، اس لئے کوئی دقت پیش نہین آئی، اسی طرح جس لاری پر سامان آیا تھا، وہ بھی مذکورۂ بالا مرحلہ کو پہلے ہی ختم کر چکی تھی، کہتے ہین کہ یہ احتیاط اس لئے کیجاتی ہے تاکہ راستہ کی خرابی سے کوئی افتاد پیش نہ آئے،

روانگی کے وقت گورنر صاحب قندھار کی طرف سے ایک خریطہ مین کچھ خشک میوے اور قندھاری انار کے دو ٹوکرے تحفہ مین آئے، یہ ٹوکرے لاری مین لٹکا کر باندھ دیئے گئے تاکہ وہ دبنے سے خراب نہ ہون،

۹ بجے کے قریب ارکِ شاہی سے ہماری موٹر نے حرکت کی، لاری پر اسباب کے علاوہ وہ دستہ جو کابل سے ساتھ آیا تھا سوار تھا، امروز خان گویا جواب تک رفیقِ سفر ہین، انکی تکلیف کے خیال سے ہم لوگ چاہتے تھے، کہ وہ قندھار ہی مین ٹھہر جائین، اور ہمارے ساتھ آگے نہ جائین، لیکن ان کی مہمان نوازی نے یہ گوارا نہ کیا، اور شاید کہ شاہی حکم بھی یہی ہو

بہرحال وہ بھی ساتھ روانہ ہوئے،

راستہ

قندھار سے تھوڑی دور تک تو سڑک اچھی ملی، پل بھی تھے، اگر جون جون آگے بڑھتے گئے راستہ کی خرابی بڑھتی گئی، اکثر پُل ٹوٹے تھے، موٹرون کو ایسے مقامات پر پل سے نیچے اتر کر پھر بلندی پر چڑھنا پڑتا تھا، تکلیف دہ ہوتی گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہادر افغانون کے ساتھ ان کی موٹرین بھی بہادر ہوتی ہین جو ان خوفناک راستون کو اس طرح نڈر ہوکر طے کرتی ہین، افغان شوفرون کی بہادری کی بھی داد دینی چاہئے جو اس دشوار گذار راستہ کو اس خوبی سے طے کر لیجاتے ہین،

تختۂ پل

قندھار سے چند میل نکل جانے کے بعد ایک منزل آئی جسکا نام تختۂ پل تھا، شاید اس نام کی اصلیت یہ ہو کہ یہان تختون کا کوئی پل بنا ہو، بہرحال ایک چنگی کی سرکاری عمارت ہے جو بدستور خام ہے، یہان قندھار سے آنے جانے والون کے اسباب کی دیکھ بھال ہوتی ہے، اور قابل محصول اشیا پر چنگی وصول کیجاتی ہے، ہم لوگون کے ساتھ کے چند قالین تھے، ان پر کابل ہی سے سرکاری طور پر ایک دھیلے کے برابر گول سیسہ چپا ہوا تلے تار سے باندھ دیا گیا تھا، یہ شاید کابل کے چنگی خانہ کا نشان ہو، یا ان سامانون پر یہ لگایا جاتا ہو جن کو حکومت چنگی کے محصول سے مستثنی کر دیتی ہو، قاعدہ کے مطابق ہماری موٹرین بھی یہان آکر رکین، اور چنگی کے عمال نے سرسری طور سے دیکھ بھال کر ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی،

صحرائے سندھ و بلوچستان

اب ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے، راستہ خراب سے خراب تر آتا جاتا تھا، بلکہ یون کہئے کہ سرے سے راستہ ہی نہ تھا، ایک لق و دق ریگستان تھا، جسمین ہر موٹر اور لاری اپنا راستہ آپ تلاش کر لیتی ہے، موٹرون اور لاریون کی آمد و رفت سے ہر جگہ ریگ مین گڈھے پڑ پڑ جاتے تھے، اور پھر ہوا کے جھونکے ان کو تھوڑی دیر مین بھر دیتے تھے، آدھے آدھے پہئے ریگ مین دھنس دھنس جاتے تھے، ایک موٹر یا لاری کے گذرنے سے ایک لیکھ جب خراب ہو جاتی ہے، دوسرا موٹر اور لاری والا اپنی موٹر اور لاری کو اُس سے بچا کر دوسری راہ اختیار کر لیتا تھا، اس طرح ہر روز ان سواریون کی آمد و رفت سے بیسیون نشان پڑ پڑ کر مٹ مٹ جاتے ہین، جہان کہین ذرا مٹی سخت بھی تھی تو وہ ان بھاری سواریون سے چور ہو کر سرمہ ہو گئی تھی، مگر با این ہمہ اسی ریت کے دلدل سے ہو کر بیسیون لاریان آجا رہی تھین، دیکھنے والون کو

سب سے زیادہ ہولناک سمان یہ نظر آتا تھا کہ کسی لاری کے ایک طرف کے پہیے تو ریت مین دھنسے ہین اور دوسری طرف کے پہیے زمین کی اصلی سطح پر ہین، اس سے لاری ایک طرف اتنی جھکی معلوم ہوتی تھی کہ ہم کو ڈر لگتا تھا کہ یہ کہین الٹ نہ جائے ان سکنڈ ہینڈ پرانی لاریون والون کی بیکسی پر کس قدر افسوس ہوتا تھا جو ہم کو جگہ جگہ بیکار پڑی نظر آتی تھین اور اُن کے شوفر اُن کی درستی کے لئے اس بے نام ونشان صحرا مین کئی کئی گھنٹے مصروف رہتے ہین،

اس راستہ کے بیچ بیچ مین پہاڑ بہت کم آتے ہین، بلکہ گویا نہین ہین، اس لئے راستہ اور ریت کی دشواری جو کچھ ہو مگر درۂ خیبر والے راستہ کی طرح یہ خوفناک اور خطرناک نہین،

یہ صحرائے ریگ افغانستان و ہندوستان، بلکہ ایشیائے وسطی اور ہندوستان کا سب سے پرانا اور تاریخی راستہ ہے، تاریخ کو جب سے علم ہے یہ راستہ تجارتی کاروانون اور قافلون کی آمد و رفت سے معمور نظر آتا ہے، ہندوستان کے بہت سے فاتح اور کشورکشا اسی راہ سے ہندوستان مین داخل ہوئے، تیمور اسی راستہ سے ہندوستان آیا، ہمایون اسی راستہ سے ہندوستان سے نکل کر ایران مین داخل ہوا تھا، بلکہ عجب نہین کہ محمد بن قاسم ثقفی اسیطرف سے سندھ مین داخل ہوا ہو

یہ صحرائے ریگ قندھار کے حدود کے بعد سے شروع ہو کر بلوچستان و سندھ کے علاقون سے گذر کر بحر ہند کے ساحل تک یونہی چلا جاتا ہے، اس صحرا اور ہندوستان کے درمیان ایک پہاڑی سلسلہ دور سے برابر برابر ساتھ چلتا ہوا نظر آتا ہے، اور اسی مین وہ مشہور درۂ بولان ملتا ہے، جس سے ادھر کے شمشیر آزما فاتح وادی سندھ مین اتر کر ہندوستان مین داخل ہوتے رہے ہین، احمد شاہ ابدالی بھی کئی دفعہ اس درہ سے گذر کر ہندوستان آیا تھا،

قلعۂ جدید

قندھار سے آٹھ بجے کے قریب چل کر ۱۲ بجے کے بعد ہم قلعۂ جدید پہنچے، یہ اس سمت مین افغانستان کی آخری سرحد ہے، یہان ایک پرانا قلعہ نظر آیا، جو اب بالکل شکستہ ہے، دوسرا یہ نیا قلعہ ہے جس مین افغانی سرحدی چوکی اور جنگی خانہ اور پروانۂ راہداری کی دیکھ بھال کے دفاتر ہین، افغانستان کے عام دستور کے مطابق یہ قلعے بھی خام مٹی کے تھے، اُن کی چھتین بھی مٹی کی کچی تھین، اکثر چھوٹی چھتین گنبد نما تھین، قلعہ کے اطراف مین سپاہیون کے بارک تھے ہندوستان کی آمد و رفت کے سبب سے یہان لاریون اور مسافرون کی اچھی خاصی چہل پہل تھی، کھانے اور

اور میودن کی دوکانین بھی نظر آتی تھین، باورچی کی دوکان جس کو دیسی ہوٹل کہئے وہ بھی موجود تھی،

ہماری موٹر جیسے ہی آکر رُکی، قلعہ کے سپاہیون نے صف بستہ ہو کر مہمانون کے اعزاز کا فرض ادا کیا، مامور صاحب جو یہان کے افسر تھے، زینہ سے اتر کر نیچے تشریف لائے اور مہمانون کا استقبال کیا، یہ نوجوان، خوش سلیقہ، انگریزی لباس مین ملبوس، سر پر ہیٹ لگائے اور اسی کے ساتھ داہنے ہاتھ مین سنگِ شاہ مقصود کے بڑے بڑے زرد دانون کی تسبیح ہاتھ مین لئے ہوئے تھے،

تسبیح کا فیشن

افغانستان مین اس قسم کی تسبیحون کا ہاتھ مین رکھنا ایک فیشن ہے، یہ عموماً بڑے بڑے تنتیس دانون کی تسبیح ہوتی ہے، جس کو ارباب منصب اور امراء ہاتھون مین لئے رہتے ہین، کبھی اُن کے دانون کو پھراتے ہین، اور کبھی اُنسے کھیلتے ہین

قلعہ جدید مین قیام

مامور صاحب ہم لوگون کو ساتھ لیکر، قلعہ کے بالائی حصہ مین گئے، چھت پر ایک سائبان اور چند کمرے تھے جن مین سے ایک ملاقات یا کھانے کا کمرہ تھا، اور دوسرے مین مامور صاحب کا دفتر تھا،

کھانے کا سامان اور باورچی اور خدام کابل سے برابر ساتھ آ رہے تھے، جہان جہان قیام ہوتا باورچی کھانا پکاتے اور خدام قرینہ سے میز سجا کر کھانا کھلاتے تھے، یہان بھی انھون نے جلدی جلدی کھانے کا سامان کیا، اور انھین کمرون مین سے ایک مین میز پر کھانا لگانے کا انتظام کیا، ظہر کا وقت آچکا تھا ہم نے ظہر کی نماز ادا کی، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک چبوترے پر جو خاص نماز کے لئے تھا، سپاہی اپنی پوری وردیون مین آتے اور فریضۂ ظہر ادا کرتے، ہم نے اپنے ساتھ کے سپاہیون کو بھی اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا، اور خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ انگریزی وردی کے تنگ کپڑے ہمارے ہندوستانی جنٹلمینون کی طرح ان افغان سپاہیون کے لئے ترکِ نماز کا عذر نہین بنے ہین،

یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ پنجاب اور سرحد کے دیہاتون کی طرح یہان بھی کوٹھے کی بالائی چھت بیت الخلا اور استنجا خانے کے کام مین آتی ہے،

یہان ہمارے راہداری کے پروانون کی دوبارہ تصدیق کی گئی، اور اُن پر

"در تحت نمرہ ۱۲۵/۱۰/۸/۱۲/ موقع خروج سرحد ملاحظہ شد"

لکھکر مہر لگائی گئی،

جبتک یہ دفتری کارروائی ہوتی رہی، ہم نے کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہو کر ہم ہندوستان کی سرحد کی طرف آگے بڑھنے کو تیار ہوئے،

وداعی منظر

اب ہم افغانستان کی آخری سرحد مین تھے، اور اپنے میزبانون سے شاید ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے، ایک اسلامی حکومت کے روح افزا مناظر کی سیر ابھی دل بھر کرنے بھی نہ پائے تھے کہ موسم بہار آخر ہو گیا، قلعہ کے تمام فوجی اور عملہ نے رخصتانہ ہاتھ ملائے، رفیقِ سفر سردرخان گویا جو اتنے دنون تک جلوت وخلوت مین ساتھ رہے تھے ہم کو حسرت بھری نگاہون سے دیکھ رہے تھے، اور ہم اُن کو تک رہے تھے،

روے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شُد

بیچارہ گویا بلبل قفس کی طرح ابھی تک افغانستان سے باہر نہین گیا ہے، اور باہر کی دنیا کو صرف کتابون کی آنکھون سے دیکھا ہے، وہ اس سرحد کے پاس پہنچکر پھڑک پھڑک کر رہ گیا، زبانِ حال یہ کہہ رہی تھی،

اگر یک سرِ موئے برتر پرم

فروغِ تجلی بسوزد پرم

سب سے زیادہ مؤثر منظر اپنے ساتھ کے افغانی دستہ کے سپاہیون سے رخصت ہونے کا تھا، یہ موٹر کے سامنے ایستادہ تھے، چلتے وقت انھون نے فوجی قاعدہ سے رخصتانہ سلام کیا، مگر مین بیچارہ کہنہ "کشوری" (سویلین) تھا نہ لشکری (ملٹری) فوجی قواعد سے بے پروا ہو کر ایک ایک سپاہی سے بغلگیر ہو کر اور مصافحہ کر کے رخصت ہوا، اور زبان سے صرف اسیقدر کہا کہ افغانستان کا قلعہ تم ہو،

افغانستان کا چہکتا بلبل گویا، اس وقت خاموش تھا، اور مصافحہ و معانقہ کے بعد باہم مکاتبت و مراسلت کے وعدہ پر ہماری یہ چندروزہ ملاقات ختم ہو گئی، موٹرون نے آگے کو حرکت کی، اور چند منٹ کے اندر افغانستان کی سرحد کو پھاند کر انگریزی علاقہ مین داخل ہو گئین،

چمن

ہندوستان کی پہلی سرحدی آبادی کا نام چمن ہے، دیکھنے مین تو یہان ریگ اور خشک پہاڑون کے سوا کچھ اور نہین، مگر یہان کی معنوی خشکی کو، لفظی تری سے دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے، کسی زمانہ مین چمن بھی مملکتِ افغانستان کی ایک کیاری تھی، مگر باغبان و صیاد کی باہمی کشمکش مین، یہ ہاتھ سے جاتا رہا،

افغانی علاقہ جونہی ختم ہوا، وہ سیاہ تختہ کھڑا نظر آیا، جس پر ہندوستان کی سرحد کا اعلان، اور پروانۂ راہداری کے بغیر اس سے آگے بڑھنے کی ممانعت لکھی تھی، سرحد کو عبور کیا تو چمن کا سواد سامنے آگیا، انگریزی کارخانون کے ستون اور چمنیان اور بلند مکانون کی چھتین دکھائی دینے لگین، یہ اصل مین تمامتر فوجی چھاؤنی ہے، ہر طرف فوجی آبادی کے نشان نظر آتے تھے، کہین بارکین تھین، کہین گھوڑدوڑ کا میدان، کہین کھیل اور ورزش کی فیلڈ،

آبادی آئی تو شاید افغانی مامور تجارت کے ذریعہ جس کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی، یا صبح کو سید راس مسعود صاحب کی زبانی لوگون کو ہمارے اس وقت آنے کی خبر ہوگئی تھی، چنانچہ شہر کے دروازہ ہی پر مسلمانون نے استقبال کیا، اور ایک ریسٹوران مین لاکر بٹھایا، اور اس بات کی تمہید کی کہ ہم آج اپنا سفر ملتوی کر کے رات کو یہان کے مسلمانون کے سامنے کچھ تقریرین کرین، مگر ایک تو اس دور دراز سفر کے تکان سے چور تھے، دوسرے ہندوستان کی سرحد پر پہنچکر حبِ وطن کی "آتشِ شوق تیزتر" ہو چکی تھی، اس لئے معذرت کی، مگر ان کا اصرار برابر قائم رہا، اور اس کے لئے مختلف تدبیرین کرتے رہے،

یہان پہنچکر پہلا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ یہان کے پولیس افسر کے دستخط پاسپورٹ پر کرائے جاتے ہین، اس کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہین، پاسپورٹ دستخط کے لئے بھیجے گئے، لیکن اس کی واپسی مین دیر پر دیر ہوتی گئی، اور ہماری الجھن بڑھتی گئی، اور یہ شبہہ ہوا کہ شاید ہمارے روکنے والے دوستون کی یہ تدبیر نہ ہو تاکہ آج کا جانا کسی طرح ملتوی ہوجائے، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم خود افسر صاحب کے دفترخانہ پر پہنچ جائین، الغرض ہم جیسے ان کے دروازہ تک پہنچے وہ باہر نکل آئے، اور دستخط کر کے پاسپورٹ واپس کئے،

ریسٹوران (چائے خانہ) مین مختلف خیال کے مسلمان جمع ہو گئے تھے، جو سیاسیات کی مختلف راہون سے

آشنا تھے، مجھ سے اور ڈاکٹر اقبال صاحب سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے، مگر سب کے سب افغانستان کی محبت وخیرخواہی کے جذبات سے معمور تھے، ڈاکٹر صاحب کے اسکول کے زمانہ کے ایک ہندو کلاس فیلو جو یہان ڈاکٹر تھے، ملنے آئے، اور ڈاکٹر صاحب سے اپنا تعارف کرایا، اثنائے گفتگو مین افغانستان کے متعلق ایک ایسا توہین آمیز فقرہ ان کی زبان سے نکلا جس سے مسلمانون کو سخت تکلیف ہوئی، یہان یہ سنکر افسوس ہوا کہ ہندو بھائیون کو موجودہ حکومت افغانستان سے اس لئے نفرت ہے کہ وہ اس کو "متعصب" "مسلمان" جانتے ہین، اور امیر امان اللہ خان سے اس لئے ہمدردی ہے کہ وہ ان کو اسلام کا "باغی" تصور کرتے تھے، حالانکہ ان کے یہ دونون خیال غلط ہین،

یہان حکومت افغانستان کا ایک مامورِ تجارت رہتا ہے، افغانی قونصل خانہ، دہلی کے کاتب (کلرک) کو جو ہمارے ساتھ تھا، مامور صاحب سے مصارفِ سفر کے لئے رقم لینی تھی، مامور صاحب کو اطلاع دی گئی تو انھون نے بھی کافی دیر لگائی، پے درپے قاصدون کے بھیجنے کے بعد وہ آخر آئے تو اس شان سے کہ آگے آگے وہ خود اور پیچھے پیچھے ان کے نوجوان فیشن ایبل جنٹلمین صاحبزادے، رسمِ تعارف کے بعد کاتب صاحب سے اور اُن سے دیر تک ردّو بدل ہوتا رہا،

ان تمام جھمیلون کے بعد ہم چمن سے آگے بڑھے، سڑک اتنی عمدہ تھی کہ لامحالہ انگریزی حکومت کی تعریف کرنی پڑتی ہے، ہماری اسلامی و مشرقی سلطنتین اصلاحات کے لئے بیشک بے قرار ہین، مگر اس زمانہ مین اصلاح کے معنی روپیے کے ہین جب تک ان کی اقتصادی حالت بہتر نہ ہوگی، وہ اصلاحات کے جاری کرنے پر قدرت نہین رکھتین، ہر مسافر کو جو افغانستان کی سڑکون سے نکل کر ہندوستان کی سڑکون پر آتا ہوگا، بداہتہً بغیر کسی دلیل وحجت کے مشرقی سلطنتون کی لپستی اور انگریزی حکومت کی برتری کا خیال آجاتا ہوگا، اس لئے ہماری مشرقی سلطنتون کا فرض ہے کہ وہ ان ظاہری نقائص کی طرف پوری توجہ دین،

ایک تو ہندوستان کی سڑکین مقابلتہً یون بھی اچھی ہین، پھر انگریزی فوجی اغراض نے چمن کے شہر کو نہین تو چمن کی سڑکون کو تو بیشک چمن بنا دیا ہے، سڑکین اتنی صاف ستھری، ہموار اور چکنی کہ معلوم ہوتا تھا

کہ پہیئے خود بخود پھسلے جا رہے ہین،

چمن سے ریل شروع ہو جاتی ہے، مگر ہم لوگون نے ایک دن بچانے کی خاطر چمن سے کوئٹہ تک ریل پر سفر کرنے کے بجائے موٹرون پر سفر کیا، چمن سے ریل صرف ایک وقت صبح کو چلتی ہے، اگر اس پر سفر کرتے تو ضرور ہوتا کہ آج رات بھر یہان ٹھہرین، اور صبح کو روانہ ہون، اور کوئٹہ سے ڈاک گاڑی ۱۱ بجے دن کو چلتی تھی تو اگر آج شام تک کوئٹہ پہنچ جائین تو رات بھر وہان آرام کرکے ۱۱ بجے ڈاک سے کل ہی روانہ ہو سکین گے، یہ تجویز قندھار ہی سے طے شدہ تھی، کہ چمن سے کوئٹہ تک سفر انھین موٹرون پر ہوگا، اور کوئٹہ سے ریل پر سوار ہونگے،

میرا اندازہ ہے کہ ۴ بجے شام کے قریب ہم چمن سے روانہ ہوئے، چمن اور کوئٹہ کے درمیان غالبًا ساٹھ ستّر میل کی مسافت ہے، ریل اس مسافت کو پانچ گھنٹون مین طے کرتی ہے، صبح ۶ بجے چل کر ایک بجے دن کو وہان پہنچتی ہے، موٹر مین بھی چار گھنٹون سے زیادہ لگے، جس کی وجہ بلندیون کی چڑھائی اور ایک طویل پر پیچ پہاڑی راستہ کا عبور کرنا تھا، چمن سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد ایک پل آیا، اس پر ایک بھاری زنجیر کی روک پڑی ہوئی تھی، جس کے اٹھائے بغیر اس پار سے اس پار جانا ناممکن تھا، متعین پہرہ دار نے چمن کے پولیس افسر کی تصدیق دیکھکر زنجیر ہٹائی اور موٹرین آگے بڑھین،

مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی۔ اے دہلی

(۳)

جو کچھ سطور بالا مین عرض کیا گیا ہے، وہ صرف نظریئے ہی نہیں، کیونکہ وہ نظریئے جو عمل مین نہ آسکین ان کے لئے اسلام مین کوئی جگہ نہیں، مسلمانون نے ان الفاظ کو عملی جامہ پہنا کر دکھا دیا، اور ثابت کر دیا کہ جو ترقی اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے کیجائے، وہ تسخیر مادہ کے علاوہ تسخیر امن و اطمینان مین بھی اپنی نظیر نہیں رکھتی،

لیکن آہ! یہان پہنچکر ہمین ایک ایسے اعتراض سے سابقہ پڑتا ہے، جس کے جواب مین سوائے آنکھین جھکا دینے کے اور کچھ بن نہیں پڑتا، یعنی معترض اگر مثال کے طور پر ہندوستان کے موجودہ مسلمانون کو پیش کر دے تو اعتراف حقیقت کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے، فی الحقیقت ہمین نہایت ندامت و تاسف سے یہ کہنا پڑیگا کہ ہندوستان کے موجودہ مسلمانون کی سمجھ مین نہ تو دین ہی آیا، اور نہ انھون نے دنیا کمانے ہی کا ڈھنگ سیکھا، اُولٰئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ (الا ما شاء اللہ) آزاد خیال طبقہ کی مذہب سے بیگانگی و تنفر کا ایک بڑا سبب منجملہ دیگر اسباب یہ بھی ہے کہ انھون نے اسلام کا اندازہ ہم مسلمانون سے لگالیا ہے، حالانکہ آج ہمارے زوال و انحطاط کے لئے اسلام اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنی مغرب کی مادی ترقی کے لئے عیسائیت، باعث افسوس ہو سکتی ہے کہ جب مسلمانون کے اعمال اسلام کی صحیح تصویر ظاہر کرتے تھے تو دنیا کی جہالت و عصبیت لوگون کو اسلام کے سمجھنے سے باز رکھتی تھی، اور آج جبکہ دنیا اسلام کے قریب تر آنے کی کوشش کر رہی ہے، مسلمان ایسی تصویر سامنے کرتے ہین، جو نہایت مہیب اور بھیانک دکھائی دیتی ہے، ڈاکٹر رشید الدین خان صاحب نے اسلام قبول کرنے کے بعد کس قدر حقیقت کی ترجمانی کی جب فرمایا کہ قرآن مجھے کھینچکر مسلمانون

کے پاس لایا، لیکن جب مین مسلمانون کے اندر پہنچا ہون تو جی چاہتا ہے کہ پھر واپس چلا جاؤن، لیکن قرآن پھر میرا دامن پکڑ رہا ہے،

لہذا ان نظریات کی عملی مثالین دیکھنے کے لئے ہمین تاریخ کو تیرہ سو سال پیچھے کو لوٹا دینا پڑیگا، کیونکہ وہان پہنچکر ہمین انسانون کا ایک ایسا گروہ نظر آتا ہے جو تکمیل انسانیت اور اخلاق و اعمال الٰہیہ کا اکمل و اجمل نمونہ تھا، اور تاریخ کے جمیع ازمنہ ماضیہ مین انبیائے کرام کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد انسانون کا کوئی گروہ اور انسانیت کبریٰ کا اعلیٰ سے اعلیٰ تصور بھی ان کے مقابلہ مین پیش نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ان کا دستور العمل اور جمیع اعمال و افعال کا محور تھا، ان کے بعد خلفائے اسلام بالخصوص عہد عباسیہ کا وہ درخشندہ منظر تاریخ کے ابواب پیش کرین گے جبکہ مادی ترقی بھی اپنے اوج کمال پر تھی، اور ایسے اللہ کے بندے بھی موجود تھے جو حدود اللہ کے قیام و بقا مین احکام خداوندی کو خضر راہ بناتے تھے، بلکہ اوس کی کچھ مثالین ہمین بعد کے شاہان اسلام کے ادوار حکومت مین بھی ملین گی، جبکہ اگرچہ تہذیب اسلامی کے قصور رفیع المنزلت پیوست بزمین ہو چکے تھے، لیکن پھر بھی آثار قدیمہ کے نشانات کی طرح اپنے پیش روندگان کے نقوش قدم کا پتہ دیتے جارہے تھے، اور چونکہ اسلام مایوسی کو کفر کے مرادف قرار دیتا ہے اسلئے آج بھی اگر تجسس و استقصار سے کام لیا جائے تو نگہ حقیقت مین ہماری "رسم اذان" کے اندر "روح بلالی" ضرور محسوس کریگی، وتلک الایام نداولہا بین الناس،

ہجرت نبوی سے عہد فاروقی تک کا عرصہ قومون کی تاریخ مین ایک چشمک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، لیکن اسی لمحۂ بصر مین چشم فلک نے ایک ایسا محیر العقول انقلاب دیکھا کہ اس سے پیشتر دنیا کے کسی حصہ مین ایسا تغیر واقع نہ ہوا تھا، چند سال کے عرصہ مین ایک اونٹ چرانے والی بادیہ نشین قوم قیصر و کسریٰ کے تمدن کی مالک بنا دی گئی، اسوقت کی مہذب دنیا کا نقشہ سامنے لٹکا لیجیئے اور پھر دیکھیئے کہ اسلامی افواج کے قدوم کہان سے چلے اور کہان کہان تک پہنچے تھے، لیکن کیا یہ فتوحات ملک گیری کی ہوس رانی کے لئے تھین، تاریخ اس کا جواب نفی مین دیتی ہے، ان فتوحات کا اصل مقصد بقول مسز سروجنی نائڈو "حریت و آزادی کی اشاعت عمومی اور غلامی کا استیصال تھا،......اسکا مقصد

ساری دنیا کی نجات تھا، اور مسلم داعی یہی مقصد لیکر ملکون ملکون مارے مارے پھرتے تھے، عربون نے صرف ملک کی سرزمین
ہی فتح نہیں کین بلکہ دل ودماغ فتح کئے ہین، انھون نے قومون کے خیالات اور لٹریچر کو متاثر کیا ہے، اور یہ بھی نوع
انسان کی تعلیم وتربیت کی فکر مین رہے ہین" تو کیا اس سلطنت عظمٰی کا حاکم وفرمان روا ایک مطلق العنان شاہنشاہ کی
طرح اپنی خواہشون اور ارادون کے مطابق حکومت کر رہا تھا، یا اس کے ارادے کسی اور کی مشیت کے تابع تھے،
اس کا جواب بھی جناب فاروق اعظمؓ کے اسوۂ مبارکہ سے لیجئے، یہ دنیا کا بہترین مقنن، شجاع ترین کمانڈر اور مدبر ترین
کارفرما جس کے اشارون پر دنیا کی قومون کی قسمتون کے فیصلے منحصر تھے، جب ایک عفیفہ نے بھرے مجمع مین اسے
ٹوک دیا کہ اے عمرؓ تمھاری یہ رائے قرآن کے منشا کے مطابق نہین تو اس خلیفۃ المسلمین اور دنیا کی اصطلاح مین شاہنشاہ اعظم
نے سر نیاز جھکا دیا، اور خوش ہوکر فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا کہ مدینہ کی عورتین بھی قرآن فہمی کا اتنا ملکہ رکھتی ہین، یہ کیون
تھا؟ اس لئے کہ وہ باوصف این ہمہ غلبہ واستیلا، اپنے آپ کو مقبوضہ ممالک ورعایا کا مالک نہین سمجھتے تھے، بلکہ
اس کا مالک وہ مالک الملک تھا اور یہ اس کے نائب کی حیثیت سے خدمت گذار تھے، چنانچہ جب مالک کا حکم سامنے
کردیا گیا تو اپنے ارادون اور آرا کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہ رہی، اس حکم کے سامنے رعایا اور حاکم آقا اور غلام
مالک ومملوک ہر ایک کی یکسان حیثیت تھی، بادشاہ اور رعایا کے لئے دو جداگانہ قانون نہ تھے، بلکہ دونون ایک ہی
قانون کے ماتحت اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے، چنانچہ جب امانتِ خلافت ان کے سپرد کیجاتی وہ سب کے
سامنے اس امر کا اعلان کرتے کہ "مین اس وقت تک متبوع ہوسکتا ہون، جب تک میرے احکام فرمان خداوندی
کے ماتحت ہون" اور اگر میرا ایک اشارہ بھی اس احکم الحاکمین کے حکم کے خلاف ہو تو نہ صرف یہ کہ میری اطاعت
نہ کرو، بلکہ مجھے فوراً علیحدہ کردو، چنانچہ بعض اوقات خلیفۃ المسلمین کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت مین پیش ہونا
پڑتا، اور واقعات وشہادت کے مطابق اس کے خلاف بھی حکم صادر ہوجاتا،

یہ عہد تو خیر عہد سعادت عہد السابقون الاولون کا تھا، اس کے بعد جب خلافت، ریاست مین تبدیل ہوگئی
ہر چند بادشاہ ایک خود مختار فرمان روا ہوتا تھا، لیکن امور سلطنت بہ تمام وکمال شریعت کے فیصلون کے ماتحت سرانجام

پاتے تھے، اور ارکین دربار مین فقہا (TURISTS) کی کرسیان سب سے بلند وبرتر مقام پر ہوتی تھین،
اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی ضوابط وقوانین کی شکل مین انہین ادوار مین مرتب ومدون ہوئی، عراق وعرب
کے بعد جب اسلامی حکومتین ترکستان وہندوستان تک پہنچین تو اگرچہ اسلامی تہذیب کے اصلی خط وخال بڑی حد تک
عجمی نقابون مین چھپ چکے تھے، پھر بھی حسن اصلی کا پرتو کبھی کبھی جلوہ فگن ہوئے بغیر نہین رہتا تھا، اور پامال شدہ نقوش
بھی اجڑے ہوئے بہشت کا نقشہ پیش کر دیتے تھے، محمود غزنوی کا نام کس نے نہین سنا، اگرچہ مکائد تاریخ کی ستم ظریفیون
نے اس کا نقشہ کچھ ایسا خونی سا پیش کیا ہے کہ اوس کے نام کے ساتھ ہی چنگیز خان وہلاکو خان کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، لیکن
یہ واقعہ بھی ہمین گبن کی روایت سے اسی کی سیرت مین مل رہا ہے، کہ ایک عام سپاہی نے اس سے جاکر فریاد چاہی کہ
کہ عمائد سلطنت مین سے کوئی ممتاز ہستی، رات کو اس کے گھر جاکر اسکی بیوی کی عصمت پر دست تطاول دراز کرتی
ہے، تو محمود نے حکم دیا کہ جب وہ ظالم وفاجر اس کے گھر مین موجود ہو اس وقت اطلاع دیجائے، تیسری شب کو وہ مظلوم
بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس وقت وہ شخص اس کے گھر مین موجود ہے، بادشاہ اس کے گھر چل کھڑا ہوا، اور معلوم
کیا کہ وہ شخص اس سپاہی کی بیوی کے بستر پر محو خواب ہے، محمود نے کہا کہ چراغ بجھا دیا جائے، اندھیرے مین جاکر تلوار
کے ایک ہاتھ سے اس کا سر قلم کر کے رکھدیا، پھر حکم دیا کہ روشنی کیجائے، جب شمع جلائی گئی تو مقتول کی لاش کو دیکھ کر
سر بسجود ہوگیا، اور اس سپاہی سے پانی منگاکر پیا، جب بادشاہ جانے لگا، تو اس سپاہی نے عرض کیا کہ جہان پناہ! اگر
جرأت عرض معاف ہو تو اتنا فرما دیا جائے کہ روشنی بجھانے، سجدہ کرنے اور پانی پینے مین کیا راز تھا، محمود نے جواب دیا
کہ مین نے سمجھ لیا تھا کہ میری سلطنت مین عین دار الخلافہ مین ایسی نازیبا حرکت کی جرأت میرے لڑکے کے سوا اور
کسے ہوسکتی ہے، چراغ بجھا دیا کہ مبادا اس کی شکل دیکھکر محبت پدری عود کر آئے، اور انصاف نہ ہوسکے، بعد قتل جب
روشنی منگائی تو دیکھا کہ وہ میرا لڑکا نہین، بلکہ ایک اور سردار سلطنت تھا، خدا کا شکر کیا کہ محمود کا بیٹا اس قدر ناخلف
نہ تھا، پانی پیا کہ مین نے اس دن سے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک اس مظلوم کی دادرسی نہ کرلون گا، کچھ کھاؤن پیونگا
نہین آج تیسری رات کو روزہ توڑا ہے، یہ کیا تھا؟ یعنی وہی، کسی بلند وبالا ہستی کی فرمانبرداری کا جذبہ!

جہانگیر اور نور جہان کی داستانِ عشق و محبت سے کون ناواقف ہے لیکن اسی نور جہان نے جب ایک گوالے کو بندوق کا نشانہ بنادیا تو پابجولان مجرمون کے کٹہرے مین لاکر کھڑی کردی گئی، قاضی عدالت نے بعد سماعت مقدمہ حسب حکم قرآنی، موت کا فتوی لکھ کر بادشاہ کے دستخطون کے لئے پیش کردیا، سینے مین دل اور دل مین جوش کی حرارت رکھنے والے ذرا جہانگیر کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کر دیکھین، لیکن جہانگیر نے بغیر نظر اٹھائے فتوی موت پر بلاتامل دستخط کردیئے، اس لئے کہ یہ اس کے خدا کا حکم تھا، اور نور جہان کی محبت اس کے اپنے دل کی خواہش، مقتول کے ورثہ نے زرِ قصاص لیکر نور جہان کو معاف کردیا، لیکن جہانگیر نے ذاتی محبت کو انصاف پر غالب نہ آنے دیا، (تذکرہ والہ داغستانی)

یہ اُس جہانگیر کا ذکر ہے، جس کے نام کے ساتھ ہی آنکھون مین خمار آجاتا ہے، کیونکہ بتانے والون نے ہمین ایسا ہی بتایا ہے،

شاہنشاہ مراد کو ایک معمار کی تعمیر پسند نہ آئی، جوشِ غضب مین معمار کے ہاتھ کٹوا دئے، معمار قاضی کے پاس جاکر داد خواہ ہوا، قاضی نے وارنٹ جاری کردیا، اور شہنشاہ مجرم کی حیثیت سے حاضرِ عدالت ہوگیا، قاضی نے ازروے حکم قرآنی فیصلہ صادر کردیا کہ

عبد مسلم کمتر از احرار نیست خونِ شہ رنگین تر از معمار نیست

شاہنشاہ مراد نے آنکھین جھکا دین، فرطِ ندامت سے پیشانی پر پسینہ آگیا، آستین سے ہاتھ نکالا، اور جلاد کے سامنے کردیا، مدعی کو تاب خاموشی کہان تھی اس نے فوراً عدل و احسان کے حکم قرآنی کے ماتحت عفو و تقصیر سے کام لیا، اور بادشاہ کو معاف کردیا، یہ اس لئے کہ

پیشِ قرآن بندہ و مولا یکے است، بوریا و مسند دیبا یکے است، (رموز اقبال)

کیا دنیا کی کوئی تہذیب اس کی مثال پیش کرسکتی ہے، جب سلاطین کی یہ حالت تھی، تو عامۃ المسلمین کے اتباعِ قرآن کا اندازہ خود بخود لگ سکتا ہے، اگر کسی سے رات کی تاریکی مین بھی سہو و خطا سے کوئی لغزش ہوجاتی

تو جب تک کھلے بندون اس کا اعتراف کرکے تائب نہ ہوجاتا چین نہ پڑتا، اور یہ کسی گوشہ نشین زاہدون کے ذکر کا ذکر نہین ہے، کیونکہ اسلام مین زاہد اور سپاہی دو مختلف نام نہین، بلکہ فی الواقعہ سپاہیون کا ذکر ہے، کہ جن کی زندگی آج مطلق العنانی مین ضرب المثل ہے، فتح بیت المقدس کے وقت جب مسلمانون کی فوجین شہر مین داخل ہوئین تو اہل شہر نے نہایت حسین و جمیل نوجوان لڑکیان دکانون پر بٹھا رکھی تھین، کہ فطرت انسانی کی لغزش کے لئے یہ مقام بڑا نازک ہوتا ہے، مسلمان شہر مین گئے اور نماز پڑھکر واپس آگئے، شام کے قریب بیت المقدس کے سرداران قوم اور مسلمانون کے نمایندون کا ایک عام اجلاس ہوا، جسمین صلحنامہ کی شرائط طے ہونی تھین، جلسہ مین ایک مسلمان سپاہی نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے یہودی سے پوچھا، بھئی تمھارے شہر کے مکانات عام طور پر یک منزلہ ہین یا دو منزلہ، اس نے تعجب سے کہا کیون، کیا تم آج دوسرے مسلمانون کے ساتھ شہر مین نہین گئے، انھون نے جواب دیا کہ گیا تو تھا، لیکن چونکہ ہمارے خدا کا حکم ہے کہ مسلمانو! جب چلو تو آنکھین نیچی کرکے چلو، (نور رکوع ۴) اس لئے بلا مطلب ہم اوپر نہین دیکھا کرتے، اس یہودی نے انھین تو جو جواب دینا تھا دیا، لیکن چپکے سے آگے بڑھ کے اپنے نمایندے سے کہا کہ جو شرائط بھی یہ پیش کررہے ہین، عافیت اسی مین ہے کہ چپکے سے مان جاؤ، ان کے اصول ایسے نہین کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ کرسکے،

یہ کیا تھا، وہی اپنے ارادون کو کسی اعلیٰ ہستی کے قوانین کے ہاتھون بیچ دینا، یہی وجہ تھی کہ حمص فتح کرلینے کے بعد، اہل قریہ سے جزیہ لیکر ان کی حفاظت کے لئے وہان چھاؤنی ڈال دی، لیکن جب کسی اور ضرورت کے لئے وہان سے چھاؤنی اٹھا دینی پڑی تو جزیہ کا باقی ماندہ حصہ انھین واپس کردیا، اور جب فوج شہر کو خالی کررہی تھی تو عیسائی اہل شہر روتے ہوئے باہر آئے اور کہا کہ ہمین عیسائی سلطنت کے بجائے اپنی پناہ ہی مین رہنے دیجئے، انہون سے تو یہ بیگانے اچھے،

موجودہ زمانہ کے سپاہیونکی ایک چھاؤنی کا نقشہ آپ اس سے پہلے بھی دیکھ آئے ہین، ذرا اس سے اس سپاہیانہ زندگی

کا مقابلہ کیجئے، حالت یہ تھی کہ حضرت عبیدہؓ کو ایک دن معلوم ہوا کہ جو کھانا ان کے سامنے آتا ہے وہ اس سے کچھ اچھا ہے، جو عام فوج کو ملتا ہے، تو انھون نے اہل مطبخ کو بڑی زجر و توبیخ کی، مدائن کی فتح کے وقت بے بہا غنیمت میدان جنگ مین پڑی ہوتی تھی، لیکن کوئی سپاہی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا، کیونکہ انھین اس سے منع کیا گیا تھا صوبون کے گورنرون کو حضرت عمرؓ نے جو ضروری ہدایات دی تھین، ان مین یہ بھی تھا کہ وہ ترکی گھوڑون پر سوار نہ ہون، باریک کپڑے نہ پہنین، چھنا ہوا آٹا نہ کھائین، دربان نہ رکھین، اور اہل حاجت کے لئے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے،

ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کی نشر و اشاعت مین جو گران بہا خدمات مسلمانون نے انجام دی ہین، اسکی مثال بھی کہین اور نہین مل سکتی، حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور تعلیم مین قدرتی لزوم ہے، عہد رسالت مین صرف اظہار ایمان پر ہی قناعت نہ تھی، بلکہ بقدر استطاعت قرآن کریم کی تعلیم بھی حاصل کرنے کی تاکید تھی، بیع و شری، مہر نکاح، زر فدیہ اسیران جنگ مین ادائے معاوضہ کی ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ قرآن کی تعلیم دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا تھا، قرون اولی کے بعد سلاطین عباسیہ کے عہد مین علم و فضل کی ارزانیون نے وہ معراج کمال حاصل کیا کہ آج یورپ باین ہمہ وسائل نشر و اشاعت و اسباب رسل و رسائل وہان تک نہین پہنچ سکا، کلیمنٹ ہارٹ (CLEMENT HUART) اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف عربک لٹریچر مین لکھتا ہے:-

"عربی زبان مین دور حاضرہ کی تمام علمی و فنی اصطلاحات کے لئے مترادف الفاظ موجود ہین"

اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے عہد مین مادی ترقی کہان تک پہنچی تھی، مورخ گبن لکھتا ہے:-

"علم کیمیا اپنے ارتقاء اور اصلیت کے اعتبار سے اہل عرب کی ایجاد ہے، انھون نے سب سے پہلے تیزاب ایجاد کیا، نائٹرک ایسڈ، نائٹرو ہائیڈ و کلورک ایسڈ، پوٹاس، ایمونیا، نائٹریٹ آف سلور وغیرہ کیمیا وی مرکبات نکالے، سلفیورک ایسڈ، الکحل جیسی چیزین دریافت کین"

لے رومن امپائر جلد ہ و اتنیکچولی ڈیولپمنٹ آف یورپ جلد اول صفحہ ۴۰۵

عیسائی مورخ وجغرافیہ دان سلطبرون لکھتا ہے، "کولمبس سے پہلے عرب کی جماعتین دریاؤن کے ذریعہ سفر کرتی تھین اور عجیب و غریب مقامات اور زمینین بحر اطلانٹک مین تلاش کرتی پھرتی تھین، (آئینہ عرب صفحہ ۶۱ مصنفہ ڈاکٹر گستاؤلیبان)

ڈاکٹر لیبان فرماتے ہین:-

"عربون نے علمی میکینس کے آلات ایجاد کرکے یورپ کو ان کا استعمال کرنا سکھایا جنکو امریکن اور یورپین آج کل استعمال کر رہے ہین" (تمدن عرب)

جان کلرک رڈپاتھ انسائیکلوپیڈیا آف یونیورسل ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ پر لکھتے ہین، کہ علوم و فنون صرف عربون نے پھیلائے"

مسٹر ہائینڈ لکھتے ہین، کہ "تمام علوم یونانی کا بڑا حصہ جو اصل ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے وہ پہلے پہل ہمکو عربون نے عنایت کیا،" (ہسٹورینس ہسٹری اوف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۲۷۶)

یورپ کے استاد پروفیسر نکلسن رقمطراز ہین کہ

"مسلمانون نے مختلف شعبہ ہائے علم مین قیمتی اضافے کئے ہین، لیکن ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھون نے بڑی فیاضی سے یورپ کو اپنے علوم و فنون سکھائے،" (لٹریری ہسٹری آف دی عربز صفحہ ۲۵۹)

ڈاکٹر لیبان اور موسیو بارتھیلس سینٹ ہلیر تحریر فرماتے ہین کہ

"عربون کی معاشرت اور تقلید نے یورپ کے امراکی عادتون کو درست کیا، اور انھین بہترین انسانی عادات و اخلاق سکھائے،" (تمدن عرب صفحہ ۵۲۴)

مسٹر باسورتھ سمتھ کس قدر شاندار الفاظ مین اعتراف حقیقت کرتے ہین کہ

"اگر پوچھا جائے کہ افریقہ بلکہ کل دنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے! تو جواب مین کہنا پڑیگا کہ اسلام نے اگر اسلام نہ ہوتا تو مشرق و مغرب دونون اندھیرے مین رہتے!"

۸۷۴ء مین جبکہ یورپ ابھی بالکل اندھیرے مین بھٹکتا پھرتا تھا، صقلیہ (سسلی) مین عربی حکومت تھی،

وہان کا طبی کالج یورپ کا مرجع دمآب بنا ہوا تھا، تعلیمی درسگاہون مین تمام یورپ کے طلبار آتے تھے، اور تعلیم مفت تھی، بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی کی نظیر دنیا کی علمی تاریخ مین نہین ملتی، اندلس کے تعلیمی مرکز یورپ کے گوہر درخشندہ تھے یہ کیون، اس لئے کہ ان کے قرآن نے یہ فرمادیا تھا کہ،

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۳۹: ۱۳)
پوچھئے ان سے کہ کیا وہ جو علم رکھتے ہین اور وہ جو بے علم ہین کبھی برابر ہوسکتے ہین،

لیکن ان کے عالم، یورپ کے آجکل کے علمار کی طرح نہ تھے، کہ جن کا قول ہے کہ "ہمین نہ دیکھو، ہماری کتابون کو دیکھو"، بلکہ یہی علمائے ملت تھے، جو مسلمانون کی شریعت کے امام بنے، اسلامی حکمار و متکلمین مین معتزلین سب سے پیش پیش ہین، ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ ہوسکے گا، کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بھی کافر سمجھتے ہین، لامارک اور ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا خیال سب سے پہلے فارابی اور ابن مسکویہ کو ہوا، لیکن یورپ کا ارتقاء صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے، لیکن اسلام کا قانونِ ارتقاء بتلاتا ہے کہ ارتقائے جسمانی انسانیت کے درجہ کے بعد ختم ہوجاتا ہے، لیکن اس کے بعد ایک اور ارتقائے روحانی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہی، اور جسم حیوانی کے لئے انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہی،

یورپ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز آج آزادی نسوان کہا جاتا ہی لیکن نظر تعمق سے دیکھنے والون پر یہ حقیقت آشکارا ہوجائیگی کہ عورت کی حیثیت ان کے نزدیک جذبات پرستی کے کھلونے سے زیادہ نہین، اسلام نے جو حیثیت عورت کو عطا کی ہے اس سے زیادہ وقار اور عزت اسے کہین اور حاصل نہین، ایک خاتون بلحاظ عورت ہونے کے چار حیثیتون کی مالک ہے، (۱) بیٹی، (۲) زوجہ، (۳) ماں اور (۴) سوسائٹی کی بنیاد، مسلمان لڑکی اپنے والدین کی شفقت یا اپنے عزیزون کے رحم و کرم پر نہین ہوتی، بلکہ اسلام نے بین الفاظ مین والدین کی جائداد مین سے اسکے لئے حصہ مقرر کردیا ہے، لڑکی کو یہ مفاد کہین اور حاصل نہین، حتی کہ آزادی نسوان کے اجارہ دار یورپ مین بھی نہین لڑکی جب تک سن رشد کو نہ پہنچے اپنی ماں کے آغوش مین تربیت حاصل کرتی ہے، سن بلوغ سے قبل اگرچہ ولی

اس کا نکاح کرسکتا ہے، لیکن سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد لڑکی کے اختیار مین ہے، کہ اس نکاح کو فسخ کردے.

(۲) بالغ ہونے پر نکاح کے مسئلہ مین اسلامی عورت بالکل آزاد ہے، وہ رشتۂ ازدواج مین منسلک ہوکر بھی اپنی ذاتی وجاہت اور حیثیت نہین کھودیتی بلکہ وہ ان تمام حقوق سے متمتع ہونے کی مجاز ہے جو قانون اسلام نے اسکی پیدائش ہی سے اس کے لئے مقرر کردیئے ہین، اور اپنے مال ومتاع کی وہ خود مالکہ ہے، خاوند کے مرجانے پر وہ اسکی جائداد کی حصہ دار اور اسکی اولاد کی تربیت کی ذمہ دار ہے، ازدواجی حالت مین بھی وہ محض مرد کے تعیش کا آلہ نہین بلکہ گھر کی مالکہ اور اس کی دست راست ہونے کی حیثیت رکھتی ہی، کیونکہ خاوند اور بیوی کے اوپر ایک ہی قانون نافذ ہے، جس نے کہہ دیا کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ وہ تمھاری عزت وناموس کی پردہ دار اور تم اس کے حقوق وفرائض کے کفیل ہو، یورپ آج بھی اس نقشہ کا خواب نہین دیکھ سکتا، وہان عورت، نکاح ہوجانے کے بعد اپنا نام تک بھی باقی نہین رہ سکتی، وہ خاوند کی ہستی مین مدغم ہوکے رہجاتی ہے، مسلم خاتون مرد سے طلاق حاصل کرنے کی اسی طرح سے مجاز ہے، جس طرح مرد اس "البغیض الحلال" (حدیث) اجازت سے، حدود وشرائط کی پابندی کے ساتھ مستفید ہوسکتا ہی،

(۳) ماں ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان خاتون کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہی، حضورؐ نے فرمایا کہ جنت ماں کے قدمون کے نیچے ہے، "قرآن نے بیٹے پر فرض عائد کردیا کہ وہ ماں باپ سے الفت ومحبت اور احسان واکرام سے پیش آئے، سب سے بڑھکر یہ کہ متوفی بیٹے کی جائداد مین ماں کے لئے حصہ مقرر ہے، اور یہ خصوصیت دنیا کے قوانین مین سے صرف اسلامی قانون ہی کو حاصل ہے،

(۴) اجتماع ومعاشرت کے لحاظ سے بھی مسلم خاتون کو ایک امتیازی فوقیت حاصل ہے، یہ تفصیل کا موقع نہین، ورنہ تاریخ اسکی شاہد ہے، کہ مسلم خواتین کی کس قدر عزت وتوقیر مسلمان مردون کی نگاہ مین ہوتی تھی، اور سب چھوڑیئے، عورت کے لئے جو حرم کا لفظ اسلامی تہذیب مین مروج ہے، وہی اس جذبۂ تقدیس وتکریم پر شاہد ہے، جو فطرت کے اس مقدس ونازک ترین آبگینے کے لئے ہر مسلم کے دل مین موجود ہونا چاہئے،

نیز اسلام نے ہر چیز کے لئے حدود مقرر کر رکھی ہین، وہ عورت کو عورت ہی دیکھنا چاہتا ہی، اور مرد کو مرد، وہ یورپ کے اس عملی نظریے سے یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَھُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَھُمْ (بقرہ) کو فرعونیت قرار دیتا ہی، اور اسے فطرت کے خلاف جنگ کے مترادف سمجھتا ہے، اس نے دورِ جہالت کی نمایشِ زینت کو (جو بعینہٖ آج دورِ تہذیب کی نمایشِ زینت ہے) حرام قرار دیدیا، کیونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اس سے مرد کے حیوانی جذبات مین اشتعال پیدا ہو جائیگا، اور ایک طرف جہان وہ جائز و ناجائز کی تمیز بھول جائیگا، دوسری طرف عورت کی تخلیق کا مقصد اس کے نزدیک جذبات پرستی کے سوا اور کچھ نہ رہ جائیگا، یہی نمایشِ حسن و لوازمِ حسن کا وہ جذبہ ہے کہ جس کی خرابیون کو آج مغرب کے ماہر جنسیات بھی محسوس کر رہے ہین، چنانچہ ایک مشہور انگیز عالم نفسیات نے لکھا ہے:۔

"شہوت نفسانی کو برانگیختہ کرنے والے سب سے زیادہ ہمارے لباس ہین، رابرٹ برٹن اور ڈاکٹر ہوبلاک ایلس کہتے ہین کہ اگر لباس کی اہمیت اور تراش خراش دنیا سے اٹھ جائے، اور عورتین سادہ لباس پہننے لگین، تو اشتعال و اغوا کا وجود بھی دنیا سے ناپید ہو جائے"

روشن خیال حضرات کو جب قرآن حکیم کی یہ آیات سنائی جائین،

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ	مسلمان عورتون سے کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہین نیچی رکھا کرین
وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ	اور اپنی عصمت کی حفاظت کیا کرین، وہ اپنی زینت کے مواقع
زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ	کو ظاہر نہ کرین، مگر وہ حصہ جو ضرورۃً کھلا رہتا ہی، اور اپنے دوپٹے
عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ	اپنے سینون پر ڈالے رکھا کرین، اور اپنی زینت کے مذکورہ مواقع
...... وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ	کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دین،...... اور اپنے پاؤن
مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ ، (نور، ع ۴)	زور سے نہ مارین کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے،

تو وہ اسے تنگ خیالی، کوتاہ نظری، قدامت پسندی، دورِ جہالت و استبداد کی یادگار (خاکم بدہن) پتہ نہین کن کن نامون سے موسوم کرتے ہین، لیکن وہ ذرا دیکھین تو سہی کہ ان کے جدت پسند آزاد خیال، اور تہذیب و تمدن

کے علمائے محققین اس بارہ مین کیا کہہ رہے ہین، لیکن مشکل تو یہ ہی کہ

ہم جو چپ بیٹھین سڑی کہلائین　　یار چپ بیٹھے تغافل ٹھہرے

اور حق تو یون ہے،

تم جسے چاہو چڑھالو سر پہ،　　ورنہ یون دوش پہ کاکل ٹھہرے

انسانی طبائع پر سوسائٹی اور مذہب کے احکام کا کیا اثر پڑتا ہی اس کا صاف صاف اندازہ اس سے لگ جائیگا کہ امریکہ آج پندرہ بیس برس سے ترکِ خمر پر لوگون کو مجبور کر رہا ہے، قوانین بنائے گئے، سزائین دی گئین، جس جہاز پر ذرا سا بھی شبہہ ہوا کہ کوئی خُم مے لئے آرہا ہے، اپنی بندرگاہ کے قریب نہین آنے دیا، باینہمہ شراب نہین چھوٹتی، اور نہین چھوٹ سکی، چنانچہ روٹیرین کلب کلکتہ کے جلسہ مین ڈاکٹر ایچ، اے، واٹسن نے کھلے بندون اس کا اعتراف کر لیا، کہ

"قانون امتناع بالکل بے کار ثابت ہوا ہے، اور کوئی حکومت اب تک قانون کے زور سے ترکِ شراب نوشی پر کسی کو مجبور نہین کر سکی" (سٹیٹسمین یکم جون ۳۳ء)

لیکن ڈاکٹر موصوف کی نگاہ صرف انسانون کے بنائے ہوئے قوانین ہی تک پہنچ سکی ہے، اگر وہ اپنی نگہِ تحقیق کو ذرا اور وسعت دیتے، اور آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر تاجدار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک حکم کو بھی دیکھ لیتے، تو انھین نظر آجاتا کہ رات کو تحریم شراب کا حکم نازل ہوا، اور صبح کو مدینے کی گلیون مین شراب کی ندیان بہ رہی تھین، اور وہ کافر جو ایک دفعہ منہ سے لگ کر چھٹا نہین کرتی، اس طرح سے نابود ہو گئی کہ پھر کسی نے اسکی شکل بھی نہ دیکھی، وہ لوگ جو آج تک اسے صحت کے لئے مفید سمجھ رہے تھے، انھون نے بھی اعتراف کر لیا کہ،

"اب تو ڈاکٹر بھی طبی اغراض کے لئے الکحل کا استعمال بہت ہی شاذ و نادر ہی کرتے ہین، اور گرم ملکون مین تو اس کا استعمال ہے ہی مضر" (اسٹیٹسمین یکم جون، تقریر ڈاکٹر یوکین)

اسمین شبہہ نہین کہ اسلامی تہذیب کے جن درخشندہ عہود و ادوار کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، ان مین اس زمین پر فرشتے نہین بسا کرتے تھے، بلکہ انسان ہی بستے تھے، اور ان مین بھی خطا کار و گنہ گار انسان ہوا کرتے تھے،

لیکن فرق یہ تھا کہ وہ گناہ کو گناہ ہی سمجھتے تھے اور اس کے ارتکاب سے منفعل ہوتے تھے، اور آج یورپ کیطرح برائیون کو اکتسابی جوہر کا سارٹیفکٹ نہین مل جاتا تھا کہ جو مرتکب کے لئے باعث ہزار عزت و افتخار ہو، یورپ تو گناہ کو گناہ ہی نہین سمجھ رہا، اور یہ جو آج ان کے چند مفکرین کو ان برائیون کا احساس ہوا ہے تو محض اسلئے کہ ان سے ان کا اقتصادی[1] نظام متزلزل ہو گیا ہے، اور وہ اگر ان ذمائم خبیثہ کی اصلاح کے لئے کبھی پلک اٹھا کر دیکھتے ہین تو محض اقتصادی مشکلات کو رفع کرنے کی غرض سے نہ کہ اسلئے کہ اون کے اخلاقی دساتیر مین ان خبائث کی برائی لکھی ہے، یورپ اور شیدائیان تہذیب یورپ کو متنبہ رہنا چاہئے، کہ وہ ان مشکلات سے کبھی نہین نکل سکتے جب تک وہ انسانی قوانین کے بجائے، انسانون کے بجائے خدا کے قوانین کو مشعل ہدایت نہ بنائین گے، ان کیلئے سعادت و نجات کی ایک راہ اور صرف ایک راہ ہے، کہ وہ اپنا ایک سیدھا دستور العمل حیات ٹھہرائین ایک رہنما کی ضرورت کو محسوس کرین، اور ایک منتہائے مقصود قرار دین،

وہ راہ قرآن کی راہ، وہ رہنما نبی اکرمؐ، اور وہ منزل مقصود، ابتغاء مرضات اللہ ہے،

---

[1] یورپ (بلکہ تمام دنیا) کی اقتصادی تباہی کا سب سے بڑا سبب منجملہ دیگر اسباب، انکی سود خوری ہے، جنگ عظیم مین مختلف سلطنتون نے اس قدر قرضہ اٹھایا کہ اس کا سود ادا کرنا بھی مشکل ہوا ہے، اسٹیٹسمین مورخہ ۴ ار فروری ۳۲ء مین پروفیسر مارس ملگیر و تھول نے اس قرضہ کے کچھ اعداد و شمار جمع کئے تھے جنکے رو سے دول متحدہ نے حسب ذیل رقوم امریکہ کو قرض دی تھین،

	رقوم معہ سود	
برطانیہ۔	۴۵۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ	انکے علاوہ چھوٹی چھوٹی سلطنتون کا قرضہ ملا کر امریکہ نے کل ۰۰۰،۰۰۰،۱۳۱ پونڈ
فرانس۔	۰۰۰،۰۰۰،۸۲۷ "	قرضہ وصول کیا تھا جو باسٹھ سال کے عرصہ مین معہ سود ۰۰۰،۰۰۰،۴۵۵۳ پونڈ
اٹلی،	۴۲۵،۰۰۰،۰۰۰ "	ہو جاتا ہے،

نتیجہ اس کا ظاہر ہے، جنگ ختم ہوئے مدت گذر گئی لیکن مختلف ممالک کی اقتصادی حالت اس سے بدتر ہے، جب کہ جنگ جاری تھی، اور سلطنتین روپیہ قرض لیکر دھوان بنا بنا کر اڑا رہی تھین، دنیا کو اس عذاب الیم سے چھڑانے کے لئے یورپ مین طرح طرح کی تجاویز سوچ رہے ہین، لیکن سود خواری کی حرص کسی تدبیر کو پنپنے نہین دیتی، اسلام نے اس مہلک اخلاقی و تمدنی جنگ کا خاتمہ ایک حکم سے کر دیا کہ احل اللہ البیع وحرم الربوٰا، اللہ تعالیٰ نے سود تم پر حرام کر دیا اور بیع و تجارت حلال رکھی، دنیا کی نجات اسی نسخہ کے اندر ہے، جو طبیب حقیقی نے تجویز فرما دیا ہے، وفیہ شفاء للناس ورحمۃ،

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، (بقرہ)	یہی لوگ اللہ کے سیدھے راستہ پر ہین، اور یہی لوگ (انجام کار) کامیاب ہونے والے ہین،
وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا، (عنکبوت۔۷)	اور جو لوگ ہماری (راہ کی تلاش مین) کوشش کرین گے ہم انھین اپنا راستہ دکھائین گے،
وَلَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی، (نجم ۳)	اور انسان کے لئے تو وہی ہے، جس کی وہ کوشش کرے اور اپنی کوششون کو وہ جلدی (بار آور ہوتے) دیکھ لیگا
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا،	فلاح و بہبودی صرف پاکیزگی مین ہے، اور نکبت و رسوائی خباثت مین،

دسویں صدی ہجری کا ایک بلند پایہ ایرانی شاعر

کمال الدین وحشی

از جناب سید ابو سعید صاحب بزمی بھوپالی بی اے آنرز بی)

دسوین صدی ہجری کا زمانہ فارسی شاعری کے لئے بہت پرسکون اور حیات بخش دور تصور کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ادھر تو ہندوستان مین خاندانِ مغلیہ کی دریا دلیون سے شاعری کے کلاہِ افتخار مین نت نئے طرے لگائے جا رہے تھے، اور ادھر ایران مین خاندان آصفیہ کے جود وسخا سے شعرا کے قلوب مین ایک نئی حرارت پیدا ہو رہی تھی، پھر ان دونون حکومتون کی چشمک کی وجہ سے ایرانی اور ہندوستانی دربار کے شاعرون مین باہمی مسابقت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اس نے فطرۃً فارسی شاعری کی آب و تاب مین اور چار چاند لگا دیئے[1]، لیکن تعجب ہے کہ اس دور کے شاعرون مین عرفی اور نظیری کے دو تین نامون کے سوا اور قریب قریب تمام دیگر شعرا سے ہم ناآشنا ہوتے جاتے ہین، حالانکہ اس دور مین ہم کو بہت سے ایسے نام جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہین جو کسی طرح اپنی خصوصیات مین عرفی یا نظیری سے کم نہین،

نظیری کی غزلیات اس وقت بہت بلند سمجھی جاتی ہین، لیکن اگر غزل کی لطافت و عذوبت، سلاست الفاظ اور بندش کی چستی کے اعتبار سے اس دور کے شعرا کے دیوانون کو پرکھا جائے، اور اگر بقول ملٹن "شاعری نام ہے سادگی، اصلیت اور جوش کا" تو یزد کا ایک عزلت پسند شاعر کمال الدین **وحشی**، ہماری بڑی توجہ کا مستحق ہے، لیکن افسوس ہے کہ اسکا بہت سا کلام یا تو ضائع ہو گیا اور یا اس وقت تک کسی ناقدر شناس ہاتھون مین پڑا ہوا اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے،

[1] تاریخ ادبیات ایران از پروفیسر براؤن،

تقی الدین اوحدی مصنف "تذکرۂ عرفات" وحشی کے معاصرین مین سے تھا، اس نے وحشی کے حالات کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے،

"درکلیاتش نہ ہزار بیت جمع کردہ ام"

لیکن "دیوانِ وحشی" کے نام سے جو نسخہ ایران مین رجب ۱۳۴۷ھ مین حمید الملک مرزا اسمٰعیل ایرانی کے مختصر مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے اس مین مشکل سے پانچہزار اشعار ملتے ہین،

افسوس ہے کہ وحشی کے سوانح حیات تحریر کرنے مین بھی تذکرہ نویسون نے کافی بے اعتنائی سے کام لیا ہے خان آرزو "مجمع النفائس"[1] مین وحشی کے حالاتِ زندگی پر ایک تشنہ سا نوٹ دے کر لکھتے ہین کہ "چونکہ دیگر تذکرون مین اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے مین یہان اس کے بعض منتخب اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہون" لیکن سمجھ مین نہین آتا کہ خانِ آرزو نے کس چیز کو تفصیل سمجھ لیا جبکہ کسی تذکرہ نے نہ تو شاعر کا سنہ ولادت دیا ہے، نہ اس کے باپ کا نام اور نہ اس کے خاندان کے تفصیلی حالات،

حقیقۃً شعرا کے تذکرے بہت ہین لیکن وہ درحقیقت بیاضِ اشعار ہین جنمین شعرا کے عمدہ اشعار انتخاب کر کے لکھ دیئے ہین، شعرا کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہین[2]،

بہرحال مختلف تذکرون سے اس کی زندگی کے جو کچھ حالات فراہم ہو سکے وہ یہ ہین:-

کمال الدین نام، دراصل بافق کا رہنے والا ہے جو یزد کے مضافات مین ایک قصبہ ہے لیکن چونکہ اوائل عمر ہی سے وہ اپنے بھائی کے ساتھ جو مرادی تخلص کرتا تھا، یزد مین آکر مولٰنا شرف الدین علی یزدی کا جو شہر کے مشہور شعرا مین شمار ہوتے تھے، شاگرد ہو گیا تھا اس لئے وہ وحشی بافقی کے بجائے بالعموم وحشی یزدی کے نام سے مشہور ہو گیا[3]، اگرچہ کسی تذکرہ نے اس کا سنہ پیدائش نہین دیا ہے لیکن بعض باتون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت

[1] مجمع النفائس از خان آرزو، در ذکر احوال وحشی، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مین ہے، جس سے خاکسار نے استفادہ کیا ہے، [2] دیباچہ شعر العجم حصۂ اول، [3] ماخوذ از تذکرۂ عرفات، آتشکدہ، مجمع النفائس، مقدمۂ دیوان وحشی مرتبہ حمید الملک مرزا اسمٰعیل ایرانی (مطبوعہ رجب ۱۳۴۷ھ)

اس کی عمر ۶۰ سال سے کچھ زیادہ تھی، اور چونکہ اس کا سنہ وفات تحقیقی طور پر ۹۹۱ھ ہے[1]، اس لئے اس کا زمانۂ ولادت تخمینی طور پر دسوین صدی کے ربع دوم کے اوائل مین ہونا چاہئے، اسی بنا پر صاحبِ مقدمہ لکھتے ہین:-

"ظہور وحشی در قرنِ دہم بودہ . . . . در اوائل ربع دوم کہ مصادف با واخرِ سلطنتِ شاہ اسمعیل است[2]"

یزد مین اس کی گذر اوقات اس زمانہ کے دیگر شعرا کی طرح قصیدہ گوئی اور امرا کی مداحی پر تھی، چنانچہ گو اس کے قصائد کئی ایک ممدوحین کی شان مین ملتے ہین، لیکن اس کا تعلق تعلق غیاث الدین میر میران یزدی (جو شاہ اسمعیل کا نواسہ تھا) کے خاندان سے تھا[3]،

عرفات اور ہفت اقلیم کی بعض تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ یزد مین وحشی کی زندگی بہت کچھ تنہا بسر ہوتی تھی، لوگون سے بہت کم ملتا تھا، کہین آنے جانے کا عادی نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ایران کے شاہی دربار سے اس کا تعلق نہ ہو سکا، غالباً اسکی گمنامی اور عدم شہرت کی ایک بڑی وجہ اسکی یہ خلوت گزینی بھی ہے،

صاحبِ مقدمہ کا خیال ہے کہ غالباً وہ اپنی اسی عزلت گزینی کی وجہ سے ہندوستان نہ جا سکا، حالانکہ اس زمانہ مین خاندانِ مغلیہ کی فیاضیون اور کرم گستریون نے ہندوستان کو ایرانی شعرا کی حوصلہ مندیون اور بلند پروازیون کا آماجگاہ بنا رکھا تھا،

غالباً وحشی باوجود قصیدہ گوئی کرنے کے طبعاً طامع اور دنیا طلب نہ ہوگا، اسی لئے اس کی زندگی زیادہ عزت سے بسر نہ ہو سکی، اس کے ایک قطعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے اعتبار سے بھی ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، شاید اس کے والدین کا بچپن ہی مین انتقال ہوگیا، اور دیگر اعزہ نے شقاوت قلبی اور بے حسی سے کام لے کر اس کے معاملات مین بے دردانہ بے اعتنائی سے کام لیا، جسکی وجہ سے اس کو اپنے عزیز وطن کے در و دیوار چھوڑنے کے بعد پھر کبھی وہان جانے کا خیال پیدا نہین ہوا، اس دوران مین وہ صرف ایک مرتبہ بافق گیا

[1] عرفات [2] مقدمہ دیوان وحشی صفحہ ۱ [3] مقدمہ دیوان وحشی صفحہ ۴، ۵، تذکرہ عرفات و ہفت اقلیم،

لیکن اپنے اعزہ و احباب کی تکلیف دہ بے توجہی سے مجروح ہو کر سات مہینہ کے بعد ہی یزد واپس آگیا، اور پھر کبھی واپس بافق نہ گیا، اس واقعہ کو اس نے ایک قطعہ مین اس طرح ظاہر کیا ہے،

در آن دہ مجاور شدم ہفت ماہ — نپرسید حالم چہ دشمن چہ دوست

مین اس گاؤن مین سات مہینہ تک ٹھہرا رہا — لیکن دوست دشمن کسی نے میری بات بھی نہ پوچھی

جوابِ سلامم ندادند نیز — از آنرو کہ اطلاقِ دادن بروست

میرے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے — اسلئے کہ آخر اُس پر بھی "تو دینے" کا اطلاق ہوتا ہے[1]

اگرچہ مختلف تذکرون کے دیکھنے سے اس کے سفر کرنے کا کوئی حال معلوم نہین ہوتا، لیکن اس کے بعض اشعار سے صاحبِ مقدمہ یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ شاید عراق و کاشان گیا ہو،

وحشی اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے بہت بدرو تھا، چنانچہ اپنے گنجے پن کے متعلق ایک جگہ لکھتا ہے:-

نشستم دوش در کنجے کہ سازم — سرِ کل را بزیرِ فوطہ پنہان

در آنساعت حکیمے در گذر بود — مرا چون دید زینسان گشت خندان

پریشان حال بودم من در آن وقت — ز فعلِ او شدم از سر پریشان

بمن گفتا کہ دارو ئے مراہست — کزان دارو سرِ کل راست درمان

شنیدم از جگر آہے و گفتم — مگر نشنیدۂ حرفِ بزرگان

زمینِ شورہ سنبل بر نیارد — درو تخم عمل ضائع مگردان

وحشی کی وفات کے متعلق اختلاف ہے، لیکن اس مسئلہ مین ہمارے لئے سب سے زیادہ مستند قول

[1] یعنی وہ لوگ اتنے بخیل اور زر پرست تھے کہ "دینے" کے نام سے بھی وہ گریز کرتے تھے، یہانتک کہ سلام کے جواب کو بھی چونکہ "دینے" سے تعبیر کرتے ہین، اسلئے وہ سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ کرتے تھے، فن بلاغت کی اصطلاح مین اس طرزِ ادا کو حسن تعلیل کہتے ہین،)

اس کے معاصر اوحدی اصفہانی ہی کا ہو سکتا ہے، وہ کہتا ہے،

"عرق تندی نوشید و خلعت نشاہ و بقا پوشیدہ، تاریخ فوت او من گفتہ ام"

چو سرمستانہ وحشی بادہ نوشید از خم وحدت روان شد روح پاک او بستی سوے علیین

من از پیر مغان تاریخ فوت او طلب کردم بگفتا ہست تاریخش "وفات وحشی مسکین"[1]

اوحدی کے قول کے بموجب وحشی کو یزد کے نواح مین کسی مقام پر دفن کیا گیا تھا، لیکن صاحب مقدمہ کہتا ہے

"امروز مکان آن نامعلوم است، تنہا چیزیکہ از مرقد وحشی باقی ماندہ است سنگ مرمریست کہ غزلے بر

روئے آن حجاری شدہ کہ از افکار خود وحشی است،

کردیم نامزد تبو بود و نبود خویش گشتیم ہیچ کارہ بملک وجود خویش

سنگ مزبور را درین سنوات یکے از احکام نجیب دار الحکومہ یزد نقل کردہ و بقعہ برائے وے بنا نمودہ"[2]

وحشی کا کلام — قصائد، غزلیات اور رباعیات وغیرہ کا ایک مجموعہ، مثنوی خلد برین، مثنوی شیرین فرہاد اور مثنوی ناظر و منظور

وحشی کی شاعری — وحشی کی شاعری کے متعلق اکثر تذکرہ نویس متفق ہین کہ بہت بلند ہے، مجمع النفائس مین ہے،

"چند حکایت شیرین خسروئے او بسیار شور انگیز است، چنانچہ ہرگاہ خواندہ ام بے اختیار گریہ کردم، در

شعر طرز خاصے دارد کہ پیروی او بسیار مشکل است، گویا شعر او سہل الممتنع است"[3]

تقی الدین اوحدی کہتا ہے:-

"کہ خدائے اقلیم سخنوری، اوستاد کارخانہ معنی پروری، شیر بیشہ سخن۔۔۔۔"[4]

ایک اور جگہ لکھتا ہے:-

"مثنوی فرہاد و شیرینش عالمگیر شدہ"[5]

آذر دیر پسند ایک بلند پایہ نقاد ہے جس نے وحشی کے معاصرین کی شاعری کے بری طرح پرزے بکھیرے ہین

[1] تذکرہ عرفات در ذکر احوال وحشی [2] مقدمہ دیوان وحشی [3] مجمع النفائس خان آرزو در ذکر احوال وحشی [4] عرفات [5] عرفات

وہ وحشی کے متعلق لکھتا ہے:-

"سخنانش حلاوتے تمام و ملاحتے مالا کلام دارد، از مراتب عشق و عاشقی آگاہ و غزلیات رنگینش باین معنی گواہ است"

صاحب مقدمہ کی رائے ہے:-

"وے مہارت طبع شاعرانہ وحشی در ادائے غزل و مثنوی است، قصائدش در مقابلہ قصائد متقدمین جلوہ ندارد"

صاحب آتشکدہ نے اس کے اشعار کا انتخاب دینے سے پہلے "بد نگفتہ" کا جملہ لکھا ہے،

لیکن اس کی غزلیات کے متعلق علی قلی خان والہ ریاض الشعراء مین لکھتے ہین:-

"وحشی در غزلسرائی پیروی بابا فغانی میکردہ، انشاد اینگونہ غزل در ادبیات فارسی تازگی نداشتہ"

تعجب ہے کہ علی قلی خان، وحشی کی غزلیات کو خشک اور پھیکا صرف اس لئے کہتے ہین کہ اس نے بابا فغانی

کا تتبع کیا ہے، درانحالیکہ "تمام اہل فن اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے کہ متوسطین کی شاعری مین انقلاب پیدا ہو کر

جو نیا دور قائم ہوا جو متاخرین اور نازک خیالون کا دور کہلاتا ہے اسکا بانی فغانی ہے"[1]

والہ داغستانی لکھتے ہین:-

"بابائے فغفور مجتہد فن تازہ ایست کہ پیش از وے احدے بآن روش شعر نگفتہ و پایہ سخنوری

را بجائے رسانیدہ کہ عنقائے اندیشہ پیرامون او نمی تواند پرید، اکثر استادان زمان مولنا وحشی و

مولنا نظیری نیشاپوری و مولنا ضمیری اصفہانی و خواجہ حسین ثنائی و مولنا عرفی شیرازی و حکیم شفائی

اصفہانی و حکیم مسیحا رکنا کاشی و مولنا محتشم وغیرہم متبع و مقلد و شاگرد و خوشہ چین خرمن طرز روش اویند"

اگر بابا فغانی کے تتبع نے وحشی کی غزلیات کو پھیکا اور بے رنگ بنا دیا ہے تو پھر عرفی اور نظیری وغیرہ کی

غزل گوئی کا آفتاب بھی مکسوف رہنا چاہئے تھا، حالانکہ خود والہ داغستانی انکی غزلگوئی کے کافی مدحت سرا ہین،

حقیقت یہ ہے کہ وحشی کی عزلت گزینی، گمنام زندگی اور عسرت نے اس کی شاعری کو بھی فطرۃً سوسائٹی

[1] شعر العجم حصہ سوم،

کی نظرون مین پست کر دیا ہے، اس لئے کہ دربار کے ایک صاحبِ ثروت وجاہ شاعر کے مقابلہ مین ایک [illegible]
مفلوک الحال شاعر کے کلام کا گہرا مطالعہ کرکے اس کی خوبیون پر غور کرنے کا وقت مشکل نکالا جا سکتا ہے، چنانچہ یہ اسی
ذہنیت کا عکس ہے جو ہم کو والہ داغستانی کے مندرجۂ بالا جملون مین یا صاحبِ آتشکدہ کے تلخ جملہ "بدنگفتہ" مین [illegible]

وحشی کے کلام کی خصوصیات

اگر وحشی کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس مین ہم کو مندرجۂ ذیل خصوصیتین نمایان طور پر نظر [illegible]

۱- کسی ایک خیال کو تسلسل کیساتھ پوری غزل مین ظاہر کرتا ہے، اور اس لئے اسکی بعض غزلین ہماری غزل
کی مروجہ تعریف سے خارج ہو کر نظم کی ذیل مین آجاتی ہین،

چنانچہ ایک غزل مین محبوب کے گذرنے مسکرانے اور لگاوٹ کیساتھ کھنچنے کو اس طرح بیان کیا ہے:-

رسید و آن خمِ ابرو بلند کرد و گذشت
تواضعے کہ بابرو کنند کرد و گذشت

نوازشم بجوابِ سلام اگرچہ نداد
تبسمے زلبِ نوشخند کرد و گذشت

بجذبۂ نگہم کز ہم کشان می برد
چہ صیدہا کہ اسیرِ کمند کرد و گذشت

کرشمۂ کہ جنون آورد تعقلِ آن
بلائے دانشِ صد ہوشمند کرد و گذشت

محبوب سفر مین چلا گیا ہے اسکی یاد مین کہتا ہے،

یارب بہ مسافرِ ما ہمزبانِ کیست
با او کہ شد رفیق و کنون ہمعنانِ کیست

تا ہمچو ما بخیمہ بسر منزلی کہ برد
وز مہرہا کہ دم زند و ہمزبانِ کیست

ماہے کہ چرخ ساخت بدستان جدا ز من
تا با کہ دوست گشتہ و ہمداستانِ کیست

آن مہ کز و رسید فغانم بگوشِ چرخ
یارب نہادہ گوش بسرائے فغانِ کیست

وحشی ہمین نہ جانِ تو فرسودہ شد زغم
ان کو غمِ فراق نفرسود جانِ کیست

محبوب سفر مین جا رہا ہے، اس کو مختلف حیلون سے روکتا ہے:-

وداعِ جان و تنم استماعِ رفتنِ تست
مرو کہ گر بروی خونِ من بگردنِ تست

زمانہ دامنت از دستِ ما برون نکند
خدائے را زروی دستِ ما و دامنِ تست

بکشورے کہ درو دوستی نشان ندہند
مرو مرو کہ نہ جائے تو، جائے دشمنِ تست

نشین وبال بیفشان کہ ہرکجا بروی
چونیک درنگری درہوائے گلشنِ تست

ایک جگہ وصالِ محبوب سے مست ہو کر کہتا ہے:-

المنۃ للہ کہ شبِ ہجر بسر آمد
خورشید وصال از افقِ بخت برآمد

صد شکر کہ زنجیری زندانِ جدائی
از حبسِ فراقِ تو سلامت بدر آمد

شد نوبتِ دیدار و زدم طبلِ بشارت
یعنی کہ دعائے سحری کارگر آمد

جان بود زہجرِ تو مہیائے ہزیمت
این بود کہ ناگاہ ز وصلت خبر آمد

بیخود شدہ بود از شغفِ وصلِ تو وحشی
زد در گزران گر بدرت دیر تر آمد

ایک غزل مین محبوب کی عمر رسیدگی اور اس کے باغِ حسن کی پژمردگی کو یون بیان کرتا ہے،

انجامِ حسنِ او شد پایانِ عشقِ من ہم
رفت آن نوائے بلبل بے برگ شد چمن ہم

گرد آن چنان جمالے در گنج خانہ ضائع
بر عشقِ من ستم کرد بر حسنِ خویشتن ہم

بدمستی و غرورش ہنگامہ گرم نگذاشت
افسردہ کرد صحبت برہم زد انجمن ہم

آن بت کہ بود، افتاد از طاقِ کعبۂ دل
وز کفر شد پشیمان آن کافرِ کہن ہم

یہ خیال انگریزی شعرا مین بہت عام ہے[1]، اور حقیقۃً یہ محبت کرنے والے دل کی سچی تڑپ ہوتی ہے، جو محبوب
کی کج ادائیون کے بعد اس کے زوالِ حسن کو دیکھکر اس طرح ظاہر ہوتی ہے؛

دیکھئے ان غزلون مین جذبات کی کتنی زندہ تصویرین ہین جو ہم کو شاعر کے احساسات کے ساتھ ساتھ [illegible]
اور رلاتی ہین، حقیقۃً شاعری نام ہے جذبات کے اٹھتے ہوئے سیلاب کا جس کو شاعر بے اختیارانہ الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے

[1] تاریخ ادبیاتِ انگریزی از کامپٹن رکٹ،

اور یہ بات غزل کے دو مختصر سے مصرعون مین اکثر ناممکن ہوتی ہے،

۲۔ تکلف اور دقت پسندی مطلق نہین ہے، سیدھے سادھے الفاظ، سیدھے سادے مفہوم کے ادا کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے، چند مثالین ملاحظہ ہون،

این چشم چہ بود آہ کہ ناگاہ کشودی | وین فتنہ دگر چیست کہ از خوابِ گران جَست

بدیگرے نگذاریم و مردہ ایم مگر | نشانِ تیرِ تغافل شدن کہ خدمت ماست

ہزار بندہ چو وحشی خرید و کرد آزاد | کند مضائقہ در یک نگہ کہ قیمتِ ماست

مریضِ طفل مزاجند عاشقاں ورنہ | علاجِ رنجِ تغافل دو روزہ پرہیز است

ساعدِ او مباد رنجہ شود | داغ بر دستِ نازنین دارد

دیکھئے اس شعر مین کس قدر ندرتِ تخیل سے کام لیا گیا ہے، محبوب نے کسی کو قتل کیا ہے جس کے خون کا چھینٹا اس کی کلائی پر پڑا ہوا ہے، عاشق کو یہ فکر ہے کہ کہین خون کے اس قطرے سے محبوب کی کلائی بد نما نہو جائے،

گر سجدہ کند پیشِ تو چندان عجبے نیست | وحشی کہ جز ابروے تو محراب ندارد

اگر جز کعبۂ کوئے تو باشد قبلہ گاہِ من | الٰہی ناامید از سجدۂ آن خاک در گردم

رسم کجاست این تو بگو در کدام ملک | دل می برند و چشم ببالا نمی کنند

اسی مضمون مین غالب کا یہ شعر بھی ہے، لیکن وحشی کے طرز ادا مین جو لطافت ہے وہ غالب مین کہان؟

دلبری ہے کہ دلستانی ہے | یکے دل دلستان روانہ ہو

قصد ے خوردن شبہا در کشتِ آفتاب | ہم حریفانِ تو می گویند پیشِ آفتاب

حفظِ ناموسِ تو منظور است میدانی تو ہم | ورنہ صد تقریبِ خوب از بہر رسوائیم ہست

۳۔ اگر کبھی صنائع معنوی و لفظی کا التزام بھی کرتا ہے تب بھی سلاست کو ہاتھ سے نہین جانے دیتا، تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون:۔

تا نیجواہ خیمہ بہ منزل کہ برد | باد کہ شد رفیق و کنون ہمعنانِ کیست ۔ ایہام تناسب، مراعاۃ النظیر

اے کہ چرخ ساخت بدستان جدا زمن | تا باکہ دوست گشتہ و ہم داستانِ کیست ۔ مراعاۃ النظیر، تجنیس لفظی،

آن مہ کز و رسید فغانم بگوشِ چرخ | یارب نہادہ گوش بسوے فغانِ کیست ۔ مراعاۃ النظیر، رد العجز علی الصدر

ہرچند وحشی آن غزال از من | ہر گز بشِ میل آرمیدن نیست ۔ مراعاۃ النظیر، ایہام تناسب

مجلسے خواہم کہ پیشت گریم و سوزم چو شمع | بر زبان آرم کہ این سوز و گداز از بہر چیست ۔ مشاکلہ

آن بت کہ بود افتاد از طاقِ کعبۂ دل | وز کفر شد پشیمان آن کافرِ کہن ہم ۔ تضاد، مراعاۃ النظیر،

۴۔ اس کے اشعار مین عشق و عاشقی کے وہ لطیف تخیلات موجود ہین، جو ایک سچے جذباتی دل ہی مین پیدا ہو سکتے ہے، محب و محبوب کی نوک جھونک، معشوق کی بے نیازی، عاشق کو مجلس مین دیکھ کر منھ پھیر لینا، اسکو دیکھکر تیزی سے گذر جانا وغیرہ وغیرہ محبت کے سینکڑون نکات کو اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ آنکھون کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا ہے، ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون،

کرشمہ گرمِ سوال است لب مکن رنجہ | کہ احتیاج بہ پرسیدنِ زبانی نیست

عشق و محبت کا کتنا لطیف نقشہ اس شعر مین پیش کیا گیا ہے، محبوب عاشق سے ناراض ہو کر کچھ جواب طلب کرنا چاہتا ہے، لیکن اس ناراضگی کے جذبہ کی بناپر اس کے چشم و ابرو کی حرکت اور اس کے اعضا کی جنبش مین فطری طور پر جو تغیر پیدا ہو گیا ہے، وہ اتنا کیف انگیز اور ہوشربا ہے کہ عاشق اسکی لذت سے مست ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ "خدا کیلئے آپ اپنے ہونٹون کو گفتگو کی زحمت نہ دیجئے، اس لئے کہ آپ کا ہر ہر کرشمہ مجھ سے میرے اعمال کا جواب طلب کرتا ہے جس کے بعد زبانی کہنے سننے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہین رہتی"۔

آخر اے صاحب متاعِ حسن این دشنام چیست | در سرِ دریوزہ گر از ما دعائے نزدہ است

زین در برو دگر غرضت رفتنِ وحشی است | حاجت بتغافل زدن و تندیِ خو نیست

ذرا اس شعر کے منظر کا تصور کیجئے، اتفاق سے عاشق محبوب کی مجلس مین آ بیٹھا ہے، محبوب چاہتا ہے کہ

وہ چلاجائے تاکہ اغیار سے بے تکلف ہوسکے، اس لئے وہ کبھی تو عاشق سے کٹی کٹی باتین کرتا ہے، کبھی اس کی طرف سے منھ پھیر کر بے توجہ ہوجاتا ہے، عاشق یہ دیکھکر کہتا ہے "اگر آپ چاہتے ہین تو وحشی اس بارگاہ سے چلاجاتا ہے، اس طرح بے اعتنائی کرنے اور خواہ مخواہ خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے :

من خود از حیرتِ تو خاموشم   حاجتِ منع و لب گزیدن نیست

دیکھیے کتنا دلفریب نقشہ ہے، عاشق دفعۃً محبوب کے سامنے آگیا، محبوب یہ دیکھکر حیران رہ گیا، اور اس ڈر سے کہ کہین عاشق کی والہانہ داد و فریاد سننے سے وہ دوسرون کی نظرون مین بدنام اور مطعون نہ ہوجائے اس نے اشارون سے دھیرے دھیرے خاموش رہنے کی استدعا کرتا ہے، یہ ایسا عجیب منظر ہے جس کی لطافت کا اندازہ خود وہی قلوب کرسکتے ہین جنپر کبھی یہ حالت گذری ہو، بہرحال عاشق یہ سنکر محبوب سے کہتا ہے "مین خود آپ کو دیکھکر سراپا حیرت بنا خاموش کھڑا ہون، اور اس لئے یہ چپکے چپکے منع کرنے اور لبون پر انگلی رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

خود رنجم و خود صلح کنم عادتم این است   یک روز تحمل نکنم طاقتم این است

جو قلوب محبت کی چاشنی سے باخبر ہین وہ جانتے ہین کہ محبوب کی بے رخیون پر دن مین کتنی مرتبہ غصہ آتا ہے، لیکن محبوب کو خبر بھی نہین ہوتی، اور عاشق خود ہی خود اپنے دل مین سوال جواب کرکے یہ غصہ رفع کرلیتا ہے،

آہ این چہ غرور است کہ صد تشنہ گرافتد   وز دیدہ ہم از دور تماشا نکند بس

عشقِ ما پرتو ندارد ما چراغِ مردہ ایم   گرم کن ہنگامۂ دیگر کہ ما افسردہ ایم

اسی مضمون کے قریب قریب جگر مرادآبادی کا ایک شعر ہے،

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی   نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانہ کی

شرابِ لطف پُر در جام میریزی دمے ترسم   کہ زود آخر شود ایں بادہ و من در خمار افتم

وقتِ برقع ز رُخ کشیدن نیست   رخ بپوشاں کہ تابِ دیدن نیست

اس وقت اپنے چہرہ سے نقاب نہ اٹھایئے   خدارا منھ چھپا لیجئے کہ کسی مین نظارہ کی تاب نہین ع

مجلس کاش از من غیر می شد آں قدر غافل   کہ یکرہ بر مرادِ خویش روئے یار میدیدم

منکہ مستم مجلست گرم است و شمعِ مجلسی   بزمِ خود افسردہ خواہی کردہ ہشیارم مکن

غور کیجئے محبوب کی مجلس سے نہ اٹھنے کا کتنا لطیف حیلہ اس شعر مین پیش کیا گیا ہے،

قصورے نیست در بیگانگی اما نہ بر وقتے   نگہ را با نگہ در وقتِ حاجت آشنا لیکن

گفتم بگو از اں لبِ شیریں حکایتے   صد تلخ گفت و بسرِ شیرین کلامِ من

سادہ لوحم میکنم باور، بگو قاصد بگو   ہر دروغے کز درِ آں بے وفا آوردۂ

می نشستم کہ مگر خارِ غمم از پا بکشم   داد و دشنام کہ تقریب مینگیزد برد

زخونِ وحشی اگر منکری نگاہ بمن کن   کہ بگذرانم ازاں چشم صد گواہ نہانی

دیکھیے صرف "نگاہ بمن کن" کے جملہ نے شعر کو کتنا "شور انگیز" کردیا ہے،

وعدۂ جلوہ چون دہی قدوۂ اہلِ صومعہ   در رہِ انتظارِ تو فوت کند نماز را

اسی مضمون مین ربیعہ ابن مقرم کے یہ اشعار بھی پڑھیے اور پھر دیکھئے کہ جذبات کی بے اختیارانہ پکار کس کے کلام مین زیادہ ہے،

فلو انہا عرضت لاشمط راھب   فی راسِ متشرفۃ الذریٰ یتبتل

لرنا لبھجتھا وحسن حدیثھا   وَلھمّ من ناموسہٖ یتنزل

(یعنی اگر محبوبہ کو کسی ایسے راہب کے سامنے بھی لایا جائے جسکے بال بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہوچکے ہون، اور جس نے کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھکر اپنی زندگی کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کردینے کا عہد کرلیا ہو، ایسا راہب بھی جب اسکو دیکھیگا تو اسکی خوبصورتی اور حسن سے مبہوت ہوکر اس کو گھورنے لگے گا، بلکہ اسکا یہ دل چاہیگا کہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اتر آئے)

عشق کی صعوبتین شدید ہونے کے باوجود عاشق کے لئے لذت انگیز ہوتی ہین، اس خیال کے ماتحت محبوب

کو مخاطب کرکے کہتا ہے :-

عشقم خراشِ سینہ شد لطفت چو مرہم می نہد ۔ گر التفاتے میکنی ناسور کن این ریش را

اسی خیال کو اس نے ایک اور جگہ اس طرح ادا کیا ہے :-

پیش لیلی کیست تا گوید ز استیلاے عشق ۔ باز گشت از کعبہ مجنون رند و رسوا ہمچنان

اس شعر کے ساتھ یہ پرانی روایت یاد رکھئے کہ جب مجنون سے اس کے باپ نے کہا کہ خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا مانگ کہ "خدایا میرے دل سے لیلی کا عشق نکال دے" تو اس نے بجائے اسکے یہ کہا کہ "خدایا تو لیلے کا عشق میرے سینہ مین اور بھر دے"

مگر در من نشانِ مرگ ظاہر شد کہ می بینم ۔ عزیزان را نہانی آستین بر چشم تر امشب

بر خاستم کہ دستِ دعائے بر آورم ۔ دشنام داد و راہ دگر گرد و راند و رفت

ہوا ے بادہ ساقی سادہ، صرفِ عشرت آمادہ ۔ کسے مست است وحشی کز تو ہشیاری طمع دارد

اسی کو سعدی نے اس عریانی سے ادا کیا ہے :-

چو خانہ خالی و معشوق مستِ ناز بود ۔ تواں گریست بر آن کس کہ پاکباز بود

۵ - انسانی جذبات کو متاثر کرنا، شعر کا ایک اہم عنصر قرار دیا گیا ہے، وحشی کے اشعار مین یہ عنصر بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے، ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا،

اے چرخ ہماں گیر کہ از جور تو مردیم ۔ ہر دوم المے بر الم افزودن ما چیست

اس شعر مین عجز و بیکسی کی جو مصوری ہے وہ محتاجِ تشریح نہین، آسمان کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ خدا کے لئے تو ایک مرتبہ یہ سمجھ لے کہ ہم تیرے ظلم سے ختم ہو چکے، لیکن یہ ہر وقت ایک غم پر دوسرے غم کا اضافہ تو کیا؟

بر منِ خستہ بین و تند مران ۔ کہ مرا قوتِ دویدن نیست

خدا کیلئے مجھ ضعیف کے حال پر ترس کھا کر گھوڑے کو اتنا تیز نہ دوڑائیے، اسلئے کہ مجھ مین اب بھاگنے کی طاقت نہین رہی،

باکہ گویم غمت کہ در مجلس ۔ زہرۂ گفتن و شنیدن نیست

عفاک اللہ مرا کشتی و رفتی ۔ نکو کردی الٰہی بد نہ بینی

ہیچکس را بجان مضائقہ نیست ۔ اگر آں شوخ قصد این دارد

نیم جانی ست تحفۂ درویش ۔ چہ کند بینوا ہمیں دارد

ایک بے سروساماں درویش کا پیشکش یہی ہو سکتا ہے کہ وہ نیم جان ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑے کیا کرے غریب کے پاس اس کے سوا اور کیا رکھا ہے،

ز ہجراں مردم و بر سر ندیدم ۔ کسے را غیر سنگِ تربتِ خویش

بہ بودے گر من بیمار چنداں زندہ می بودم ۔ کہ او را بر سرِ بالینِ خود یکبار میدیدم

ما و تو ہم ہر دو ہمداغیم اے مرغِ چمن ۔ تو ز گل منال و من از بیوفائیہائے او

تا جاں دہم ز شوق چو ایں مژدہ بشنوم ۔ آہنگ پرسشِ منِ بیمار کردہ

چیست قصدِ خونِ من آن ترکِ کافر کیش را ۔ اے مسلمانان نمیدانم گناہ خویش را

سنگے زند ایں طرف از گوشۂ آں بام ۔ ایں بخت نباشد سرِ شوریدۂ ما را

دل پر حسرت از کوئے تو بر گردیدم و رفتم ۔ نشد پا بوس روزی آستاں بوسیدم و رفتم

از پئے یک نیم جاں چند تقاضائے ناز ۔ میدہم اینک تو لیک مجالے بدہ

یکرہ سوال کن نگہِ بے گناہ خود ۔ زیں چشم پر تغافل اندک نگاہِ خود

اس شعر مین "بیگناہ" کے لفظ مین جو زور ہے اس کو ذہن مین رکھکر شعر کو پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ حسرت و اضطراب کی الم انگیز کہانی کس درجہ دردناکی کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیگئی ہے،

۶ - بعض اوقات اشیاء کے فلسفہ کو نہایت خوبی سے ادا کرتا ہے، ذیل کی مثالین ملاحظہ کیجئے:-

(۱) عشق خود بخود ہو جاتا ہے، عقل و تدبیر کو اس سے کوئی تعلق نہین،

دست کردن در کمر باعشق کار عقل نیست — فتنۂ نتوان برائے خود بزور انگیختن

۲- دنیا مین ہر شخص کسی نہ کسی غم مین مبتلا ہے،

وحشی ہمین نہ جانِ تو فرسودہ شد زغم — آنکو غمِ فراق نفرسودہ جانِ کیست

۳- عشق عقل و ہوش سب کچھ ختم کردیتا ہے،

خانہ پُر بود از متاعِ صبر این دیوانہ را — سوخت عشق خانہ سوز اول متاعِ خانہ را

۴- زندگی مین عشرت کی ایک مختصر سی ساعت بھی ہر قیمت پر سستی ہے،

باآنکہ روزِ وصل را دانم کہ شوقم میکشد — ندہم بصد عمرِ ابد یکساعت آں روز را

شعر العجم

(حصہ دوم)

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعۂ معارف پریس، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت ع۲ر

(حصۂ سوم)

شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت ع۲ر

"منیجر"

علم الحیوانات پر ایک نئی توجہ

از جناب محمد سعید صاحب عثمانی، ہوشیارپوری، بمبئی،

مذہب اور سائنس دونون کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ کائناتِ ارضی کی تمام مختلف الانواع مخلوقات مین صرف ایک ہی نوع ذمہ دارانہ حیثیت رکھتی ہے، اور فطرۃً اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی کے ہر قسم کے علمی اور عملی مظاہرات کے لئے پورے احساس اور قطعی یقین کے ساتھ اپنے آپ کو جواب دہ قرار دے، خواہ وہ مظاہرات انفرادی ہون یا اجتماعی، یہ نوع، نوع انسانی ہے،

نوع انسان کے متعلق یہ امر بھی بخوبی سمجھ مین آسکتا ہی کہ دنیا مین صرف وہی ایک نوع ہے، جس کا وجود اپنے اندر حقیقت اور استقلال رکھتا ہے، موت کے بعد روح انسانی کی موجودگی اور اس کا بقا تمام مذاہب کے نزدیک مسلم ہی، سائنس کی تحقیق جدید بھی روحِ انسانی کی حیات بعد الممات کو تسلیم کرتی ہے، حکمائے اسلام انسان کے اندر دو روحون کی موجودگی ثابت کرتے ہین، ایک روحِ حیوانی جو قوائے طبعی کا سرچشمہ ہے، اور موت کے ساتھ ہی فنا ہوجاتی ہی؛ اور دوسری روحِ انسانی جو محلِ معرفتِ الٰہیات ہے، اور جو موت کے بعد بھی جسمِ خاکی سے علیحدہ ہو کر باقی رہتی ہی،

روح کے متعلق تفصیلی اور ناقدانہ تبصرہ کرنا میرے مبحث سے خارج ہے، لیکن جو کچھ مین کہنا چاہتا ہون اسکے سمجھنے کے لئے یہ تذکرہ کردینا ضروری ہی، کہ روحِ انسانی ایک مستقل اور غیر فانی چیز ہے، برخلاف روحِ حیوانی کے جو ایک وقت معین کے بعد فنا اور کالعدم ہوجاتی ہے، اس کے خلاف تناسخ کا نظریہ عقلِ سلیم کے نزدیک قابلِ التفات نہین ہے، یقیناً اس زمانہ مین جب کہ دنیائے علم کی قوائے عقلیہ کافی نشو و نما پاچکی ہین، یہ نظریہ خود بخود رد ہوچکا ہے، اگرچہ ویدون کو بفرضِ محال کتبِ سماوی ہی کیون نہ تسلیم کیا جائے، تاہم یہ کہا جائیگا کہ امتدادِ وقت اور انقلابِ زمانہ

کا ان پر بہت کچھ تصرف ہو چکا ہے، اس لئے اس بحث کو بھی مین طول دینا نہیں چاہتا، بہر حال چونکہ تمام مذاہب
آسمانی کا روح کے متعلق ہمارے مذکرۂ بالا نظریہ سے اتفاق ہے، بنا بریں مین اس کو صحیح تسلیم کرکے اپنے
اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہون،

مین نے یہان تک بیان کیا تھا کہ انسان ایک مستقل اور غیر فانی ہستی ہے، اور اس کے علاوہ باقی
سب حیوانات، چرند، پرند، اور حشرات الارض موت کے ساتھ فنا اور کالعدم ہو جاتے ہین، گویا جوہر تخلیق صرف
انسان ہے اور اس کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ سب عوارض ہین، یا یون سمجھنا چاہئے، کہ انسان کتاب دنیا
کا متن ہے، اور باقی سب مخلوقات اسی متن کی شروح و تفاسیر ہین،

یہ ظاہر ہے کہ حیوانات مر کر فنا ہو جاتے ہین، اور اون کو کسی قسم کی ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہین ہے،
یہان طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ صدہا قسم کے جانور کیون ہین، ؟ ان کی تخلیق مین قدرت کی کون سی
حکمتین مضمر ہین، ؟ کہا جا سکتا ہے کہ نوع انسان کے آرام اور فائدہ کے لئے یہ سب جانور پیدا کئے گئے ہین، اکثر
جانورون کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے، اور کئی ایک انسان کے لئے دودھ اور پشم مہیا کرتے
ہین، اور بعض باربرداری، اور سواری کی خدمت بجا لاتے ہین، لیکن پھر بھی یہ سوال تشنۂ تسکین رہجاتا ہی
ہم دیکھتے ہین کہ بیشمار مچھر جو ملیریا کا سرچشمہ ہین، اور ان گنت چوہے جو پلیگ کے موجد ہین، اور ان کے
علاوہ کھٹمل، پسو، مکھیان، بھڑین، سانپ اور صدہا قسم کے دوسرے موذی جانور اور خونخوار درندے نوع انسان
کی ہلاکت اور بربادی کے باعث ہین، اس حقیقت سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ انسان حیوانات سے تمتع
بھی حاصل کر سکتا ہے اور ضرر بھی، اس صورت مین یہ نظریہ کہ حیوانات کو انسان کے فائدہ اور خدمت کے لئے
قدرت نے پیدا کیا ہے، غلط ٹھہرتا ہے، کیونکہ بصورت دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ تخلیق حیوانات نوع انسانی
کی ہلاکت اور ضرر کی غرض سے عمل مین آئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لغو اور محال ہے، اس لئے یہ معلوم ہوا کہ حیوانات
انسان کے لئے ضرر رسان بھی ہین اور نفع بخش بھی، لیکن ان دونون باتون مین سے کسی ایک کو تخلیق حیوانات

کی علت قرار نہین دیا جا سکتا،

دنیا کی ہر چیز کے مالہ اور ما علیہ پر غور کرنا، اور اس کے اسرار پر اطلاع پانے کی کوشش کرنا انسان کا
علمی اور عقلی فرض ہے، انسان کے متعلق حکمائے زمانہ نے طویل بحثین کی ہین، کہ اس کا مقصد زیست کیا ہے، اور
کیون پیدا کیا گیا ہی، علمائے اسلام نے اس بحث مین نہایت دلچسپ باتین پیدا کی ہین، جن سے اسرار تخلیق
پر کافی روشنی پڑتی ہے، جس وقت نظر سے انھون نے انسان کا مطالعہ کیا ہے اور فطرت کے رازہائے سربستہ
کو ظاہر کیا ہے، یقیناً قابل تحسین ہے، اور احسان و امتنان کا ایک بار عظیم ہے، جس سے دنیائے انسانیت
کبھی سبکدوش نہین ہو سکتی، انسان کی بلندی نظر، وسعت تخیل، اسکی ہمہ گیری اور فراست کے پیش نظر وہ
یہان تک لکھ گئے ہین کہ انسان عالم صغیر ہے یعنی عالم شہود مین جو کچھ بھی ہے، وہ سب کچھ اس چھوٹے سے جہان
یعنی انسان مین موجود ہے، فطرت انسانی کے سوال کا یہ حل بالکل صحیح اور درست ہے، اگرچہ اس حل کی تشریح
مین تخلیق حیوانات کے اسرار تک ہماری رہنمائی نہین کی گئی، میری اس تحریر کا موضوع ہی مسئلۂ لاینحل پر غور کرنا ہی،

قدرت نے انسان کو بہت سی صفات کے ساتھ متصف کیا ہے، جنمین سے بعض نیکی کا سرچشمہ ہین مثلاً
رحم و عدل، صدق و وفا، اتحاد و مودت، غیرت و حمیت، تہور و شجاعت، احساس مساوات، جذبۂ حریت،
اصلاح نفس، وغیرہ، اور بعض برائی کا منبع ہین، مثلاً قساوت و ظلم، کذب و افترا، افتراق و مخاصمت، خباثت و
دنائت، غیظ و غضب، غرور و نخوت، فسق و فجور، وغیرہ، ان ہر دو قسم کے صفات کو اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلہ
سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ان کی افراط و تفریط اور کیفیت و کمیت کے متفاوت اندازے ان کی تعداد مین ایک
کثیر اضافہ پر منتج ہوتے ہین، پھر اون کی ترکیب اور امتزاج کی مختلف ہیئتون سے اون کی صور معنوی متشکل
ہوتی ہین،

مسئلۂ تخلیق حیوانات پر سالہائے دراز کے فکر و تدبر کے بعد مین جس نتیجہ پر پہنچا ہون وہ بظاہر ایک
حیرت انگیز نظریہ معلوم ہوتا ہے، پہلی مرتبہ ۱۹۱۹ء مین میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا، اور مین نے ان

خیالات کو قلمبند کیا، لیکن چونکہ یہ بالکل انوکھا اور نیا تھا مجھے جرأت نہین ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر مطلع کرون، جون جون زمانہ گذرتا جاتا تھا، اس نظریہ کی صحت و معقولیت مجھ پر روشن تر ہوتی جاتی تھی، لہذا وہ کسی وقت بھی میرے ذہن سے الگ نہین ہوتا تھا،

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ اتفاق سے قرآن کریم کی ایک آیت پر میری نظر پڑ گئی، اور میرے خیال مین اوس سے حرفاً حرفاً میرے اس نظریہ کی تائید ہوئی، نیز یہ معلوم ہوا کہ احادیث نبوی سے بھی ضمناً اس کی تائید ہوتی ہے، اسلئے اب مین اپنے آپ کو اس قابل پاتا ہون کہ اسے حکمائے زمانہ کے سامنے رکھدون،

تخلیق حیوانات کے متعلق وہ نظریہ جو میرے غور و فکر مین ہے، بہ الفاظ سادہ یہ ہے کہ زمین پر چلنے والے جملہ حیوانات، پانی مین تیرنے والے تمام جانور، اور ہوا مین اڑنے والے سب پرندے انسان کے اخلاقِ فاضلہ و رذیلہ کی صفاتِ متمثلہ ہین، یعنی قدرت کی صنعتِ کاملہ نے انسان کی کیفیاتِ معنوی کو خارج مین مجسم کرکے دکھا دیا ہے، گویا یہ سارا کھڑاگ اجمالِ انسانیت کی تفصیلِ مجسم ہے،

یہان یہ واہمہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ اگر حیوانات کلیتہً انسانیت کے اجزا ہین تو جمادات و نباتات کیون نہین، اس کا یہ جواب ہے کہ ظہور اول عالمِ جمادات ہے، اور اس کی ارتقائی حالت کا نام ظہور ثانی یعنی عالم نباتات ہے، پھر عالمِ نباتات کی ارتقائی حالت کا نام ظہور ثالث یعنی عالمِ حیوانات ہے، جب ظہور ثالث کا وقت قریب آچکا تھا، مین اسی وقت صانعِ حقیقی نے انسان کو پیدا کیا، یعنی انسان و حیوان بیک وقت معرضِ ظہور مین آئے، ڈارون کی تھیوری ظہور ثالث تک حقیقت پر مبنی ہے، اسمین شک نہین کہ اسکا مقام فضائے مغرب مین اپنے زمانہ کی سطحِ فراست و بصیرت سے بلند تر ہے، اس نے درست راہ اختیار کی، لیکن آگے چل کر دھوکا کھا گیا، نہ صرف یہ کہ وہ عالمِ حیوانات کی حقیقتِ تخلیق سے یکسر بے خبر رہا، بلکہ اس راہ مین اس نے یہ ٹھوکر کھائی کہ وہ حیوان کو اساسِ انسان قرار دیتا ہے، بعینہٖ اُس بچہ کی طرح جس سے اگر پوچھا جائے گا کہ تو لڑکی ہے یا لڑکا تو وہ جواب دیگا، لڑکا، پھر معاً اس سے پوچھا جائے کہ تو بیوقوف ہے یا دانا

تو اس کا جواب ہوگا، دانا، پھر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ تو گدھی ہے یا گدہا تو وہ فوراً بے تکلف بول اٹھیگا، گدہا، کیونکہ اس قسم کے سوالات مین بچون کو جواب کے لئے سوال کا پچھلا لفظ ہی یاد رہجاتا ہے، اسی طرح ڈارون راہِ تخلیق مین منازلِ حکمت کو جس استدلال کی رہنمائی مین طے کر رہا تھا، آنکھین بند کرکے قدم بڑھاتا گیا، یہان تک کہ اس نے آدمی کو ترقی یافتہ بندر بنا دیا،

جو آیتِ قرآنی میرے نظریہ کی بنیاد و اساس قرار پاتی ہے، وہ یہ ہے،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ

اور زمین پر کوئی حیوان نہین اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤن پر اڑتا ہے، مگر وہ امتین ہین تمھاری مثلین،

( )

اگرچہ عربی زبان مین "امثال" کے معنی مانند کے بھی آتے ہین، لیکن اسی کے ساتھ اسکے معنی "صفت" و "حالت" کے بھی ہین، مثلاً وللہ المثل الاعلیٰ یا مثل الجنۃ التی وعد المتقون یا مثلھم کمثل الذی استوقد نارا اس لئے دراصل قرآن مجید کی مذکورۂ بالا آیت مین چرند و پرند کو انسانون کی صفت و حالت مین پیش کیا گیا ہے، اور اس لئے یہ کہنا اپنی جگہ صحیح ہو سکتا ہے، کہ تمام چرند و پرند دراصل انسان کے اخلاقِ فاضلہ و رذیلہ کے صفاتِ متمثلہ ہین جن کے ذریعہ انسان کی کیفیاتِ معنوی خارج مین مجسم کرکے دکھائی گئی ہین،

عجب کیا کہ اگر اخلاقِ انسانی کی کیفیتون اور حیوانات کی مادی اور طبعی حالتون کا پوری شرح و بسط سے استقصا کیا جائے، تو جدید نظریہ کے مزید دلائل و براہین مہیا ہون، اور اس سے انسان کو گران بہا جسمانی اور روحانی فوائد حاصل ہون،

نامۂ کیمبرج

شذراتِ افکار،

از

پروفیسر تاثیر، ایم اے، کیمبرج

پروفیسر تاثیر ایم اے (اسلامیہ کالج لاہور) پنجاب کے متوقع فاضل ادیب و نقاد ہین، اُن کو اردو اور انگریزی ادبیات پر یکسان عبور ہے، ہم کو یقین ہے کہ وہ ایک دن پنجاب کے مسلم الثبوت ادیب و فاضل مشہور ہونگے، وہ چند ماہ سے اپنی طلب علم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے ہین، وہان سے ان کا جو پہلا خط میرے نام آیا ہے، وہ اس قابل نہین کہ اسکو صرف نج کے طور پر پڑھا جائے، اور ناظرین معارف کو اس کے لطف سے محروم رکھا جائے، سب سے پہلے ان کے مذہبی جذبہ کا ہم کو احترام ہے، پھر ان کے قومی احساس کی تصویب کرنی چاہئے، بعد ازین انکی صحیح علمی طلب و تحقیق کی داد دینی ہے، ہم کو یورپ جانے والے نوجوانون سے بھی شکایت رہتی ہے کہ وہ اپنی چیز سے بے خبر ہو کر یورپ کیون جاتے ہین، اور وہان کی ہر اچھی اور بری چیز سے اس قدر مرعوب کیون ہو جاتے ہین، پروفیسر تاثیر نے اپنا جو نمونہ پیش کیا ہے، وہ ہمارے یورپ جانے والے نوجوانون کے لئے ایک نئے دور کا دیباچہ ہے،

اپنی تعلیم و تحقیق کار مین ان کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے ہم اس پر بخلوص دل ان کو مبارکباد دیتے ہین، اور دعا کرتے ہین کہ وہ یورپ کا علم سیکھ کر آئین، یورپ بنکر نہ آئین، کہ تاثیر کی تاثیر سے ہمارے غلط رو نوجوانون کو بھی رہنمائی مل سکے،

"سلیمان"

علامۂ محترم - السلام علیکم

کیمبرج مین داخلہ

نادم ہون کہ اب تک کوئی عریضہ ارسالِ خدمت نہ کر سکا، لیکن کچھ اس جلدی مین روانہ ہوا، اور اس بے سروسامانی سے یہان پہنچا کہ سر نہ اٹھا سکا، اب پہلا ٹرم (دورِ اوّل) ختم ہوا ہے تو حاضرِ خدمت ہو رہا ہون، مین انگریزی ادب مین ریسرچ کر رہا ہون، اور بد قسمتی سے اس وقت پہنچا ہون جب چند سال پہلے یہان کے ذمہ دار پروفیسر (کہ یہان وہی حاکمانِ قضا و قدر ہوتے ہین) طے کر چکے ہین کہ کسی اجنبی کو (امریکن، ہندی، جرمن کوئی ہو) کم از کم انگریزی ادب مین براہِ راست پی - ایچ - ڈی کے لئے نہین لیا جائیگا، عام طلبہ کو بی اے (TRIPOS) مین لے لیتے ہین اور ریسرچ والون کو (M. LIT) ایم - لٹ مین، اور بس! مگر چونکہ میرا مقصد محض حصولِ علم ہے اسلیے مین ڈگری کے نام پر نہین گیا اور لنڈن اور ڈبلن وغیرہ کی طرف رجوع نہین کیا، تجارتی طور پر شاید ایم لٹ سے زیادہ بی اے مفید ہوتا مگر ہفتہ عشرہ کے بعد میرے نگران نے مجھ سے واضح طور پر کہدیا تھا کہ "یہ محض ابتدائی SCHOOL WORK ہے، تمھین امتحان بازی سے بہتر کام کرنا چاہئے"؛

میرا موضوع

آپ خوش ہونگے جو کام مین کر رہا ہون وہ ادبی بھی ہے اور اسلامی بھی! دین و دنیا دونون کی بہتری کی امید ہے، انشاء اللہ - میرے مضمون کا عنوان ہے: "مشرق کا تصور انگریزی ادب مین، از ابتدا تا حال" - مشرق سے مغرب کی بیشتر مراد مسلمان ہی رہے ہین اور میرے اس کام سے عجب عجب انکشافات کی توقعات ہین، شاید ہمارے ان مغرب زدہ حضرات کو جو آپ ہی آپ مغرب کو مذہب سے عاری قرار دیکر اپنے دماغی افلاس کے لئے سہارا ڈھونڈتے رہتے ہین کچھ عبرت حاصل ہو، مین نے کام بالکل ہی ابتدائے عہد سے شروع کیا ہے، آج کل اینگلو سیکسن عہد کی تصنیفات مین مشغول ہون، مشکل یہ ہے کہ مجھے انگریزی ادب کی ہر صنفِ نظم و نثر - ڈرامہ، ناول، سیاحت وغیرہ کی کتب مین سے گزرنا پڑے گا، اور چونکہ پروفیسرون نے ان کتب کو میرے زاویے سے کبھی نہین دیکھا اسلیے وہ مجھے پوری راہبری کی امید نہین دلاتے، لیکن یہان کے پروفیسر اسقدر فنا فی العلم ہین، اور اس قدر خوش اخلاق اور منکسر المزاج ہین کہ ہر وقت ہر قسم کی مدد کے لئے طیار رہتے ہین،

یورپ مین اساتذہ اور مذاہب

میرے نگران کار جو انگریزی شعبے کے صدر ہین، نائٹ بھی ہین اور بیسیون کتابون کے مصنف ہین، اور عہدِ حاضر کے مشاہیر مین شمار ہوتے ہین، سر آرتھر کولر کوچ! وہ ان تمام صفات مین شاید سب سے برتر ہین، مغربی کلچر کا بہترین نمونہ ہین، مگر گرجے بھی جاتے ہین اور اپنی مذہبی تصنیفات سے بھی پوری طرح واقف ہین، کل ہی میز پر پلوٹنس پر ڈین انگ کی کتاب پڑی تھی! ہمارے "تعلیمیافتہ" حضرات مین سے کتنے ایسے ہین جنھون نے قرآن کو اچھی طرح تو کیا محض پڑھا ہی ہو؟ - انھون نے مخالفون کی تحریرون کو بھی نہین پڑھا ہوتا! - اس مین قصور ہمارا انگریزی کی سرکاری درسگاہون مین مذہبی تعلیم کا نہ ہونا تو شاید قابل مدافعت ہو لیکن ہمارے اسلامی ادارات مین جو بے نیازی برتی جاتی ہے اس کا کیا جواب، کیا مسلم یونیورسٹی مین کوئی باقاعدہ SYLLABUS موجود ہے، کیا اس قسم کی کوئی تجویز پیشِ نظر ہے؟ مین نے اپنے کالج والون کو تو چند تجاویز لکھ کر بھیجی ہین، دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے ارباب کار کو آپ سے استمداد کے لئے بھی لکھا، امید ہے کہ آپ اسے میری پرانی عادت سمجھ کر معاف کرینگے (ایک دو ادبی رسائل کو حال ہی مین آپ کے پیچھے ڈال چکا ہون،) مگر ایسا کام تو اسلامی دنیا کے کسی گوشہ مین ہو آپ کی طرف لازمی طور پر ہاتھ پھیلائے جائین گے، ضروریات حاضرہ کے مطابق دینی تعلیم کا نظام تدریس! -

قدیم وجدید کا امتزاج

یہان اگرچہ نیک نیت گرنادان مسلمان نوجوانون سے گفتگو کر کے یہ پرانا احساس پھر بیدار ہوا ہے، کہ ہم نے بی اے بہت پیدا کر لئے ہین، مولوی بھی کافی ہین، کیا ان کا امتزاج ناممکن ہے؟ مین محض علمی پہلو کی طرف نظر ڈال رہا ہون، عمل کی صلاحیت مختلف چیز ہے،

مشکل یہ ہے کہ "دینیات" کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اب وہ محض مضحکہ کا سامان بنکر رہ گیا ہے، کوئی وجہ نہین کہ جب انگلستان مین قمیص کو پتلون سے باہر لٹکا کر چلنا مہذب مجالس مین شرکت سے مانع ہو سکتا ہے، تو معاشرتی معاملات مین ہمارے علمار کے فتاوے کفر کو بربریت کا نمونہ سمجھا جائے، دینیات کلچر ہی کی تعلیم ہے اس کے لئے طہارت کے مسائل بھی اہم ہین اور آدابِ مجلس بھی، ان کا انکاری "کافر" نہ ہوا، تو اور کیا ہوا، بلغرق ار تب لیکن ہمین تو کفر کے معانی یا اصطلاحی مدارج بھی بتائے نہین جاتے،

جب ہماری سرکار عالی مدار نے انگریزی تعلیم رائج کر کے بیک جنبش قلم ہمارے سینکڑون عالمون کو جاہل اور ہزارون بارروزگارون کو بے روزگار بنا دیا تو اس وقت یہی بدنصیب ملّا اٹھے اور انھون نے عدم تعاون کی اولین آواز بلند کی اور اس سے انکار کرنے والون کو کافر قرار دیا، آج غدار اور "ٹوڈی" کے لفاظ لفظ "کافر" کے محل پر استعمال کئے جاتے ہین اور خراج تحسین حاصل کرتے ہین، مگر ان بیچارے ملاؤن کی تحریک کو جہالت کی بدترین مثال بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کو قومی ترقی کا سب سے بڑا دشمن بتایا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ پرانی روایات کو صحیح طور پر استوار کیا جائے اور نئی عمارت کو انھین بنیادون پر قائم کیا جائے، مغرب ومشرق کا جبری اور اضطراری پیوند کبھی بارآور نہین ہو سکتا،

علم وادب مین قدیم وجدید کا امتزاج

یہی حال ہمارے علم وادب کا ہے، ہم مغربی زبانون مین فقط انگریزی کچھ کچھ جانتے ہین، اور اسی برتے پر ایک جدید ادبی تحریک کا بلند آہنگ ادعا کرتے رہتے ہین، اور یونہی نئی تنقید کا غل غپاڑا مچا رکھا ہے، حالانکہ اپنے ادب کی روایات کی صحیح تفہیم کے بغیر کوئی نیا راستہ پیدا کرنا ناممکن ہے محض بہاریون پر نظمین لکھنے سے جدید ادب تخلیق نہین کیا جا سکتا، یہ "جدید موضوع" ولی دکنی کے کلام مین بھی نظر آتا ہے اور نہ قوافی کی ترتیب بدلنے سے نیا عروض وضع ہو جاتا ہے، اس مین ہمارے ادیب ابھی یورپ کے گیتون اور ٹھمریون تک بھی نہین پہنچے، نہ جانے ہم اپنے ملکی ادب کو اپنا ماخذ بنانے سے کیون گھبراتے ہین، مسلسل نظمون اور مناظرِ قدرت کے شیدائی میر کی مثنویون کو کیون نہین دیکھتے، انھین ان مین حیوانات تک کے کردار منفرد اور جاندار صورت مین دکھائی دینگے، ہمین غیر ملکی ادب سے محض دلچسپی ہے، واقفیت کچھ بھی نہین، صحیح پندار تو اور چیز ہے محض اپنے ادب سے دلچسپی تک نہین،

ترک سلاطین کی ادب نوازی

یہان ایک ہندی "مستشرق" طالب علم علامہ شبلی کو غیر مستند کہہ رہے تھے اور ریو کے تبحر پر قصیدہ خوانی کر رہے تھے، ایک "مورخ" صاحب ترک سلاطین کی جنگ جوئی کے تو معترف ہین، مگر ان کی علم وادب سے جہالت پر "ندامت محسوس کرتے ہین"!

سلطان سلیم اول کا دیوان اور مستشرقین کی غلطی

اتفاق سے مجھے ایک قدیم انگریزی نظم کے سودات کی تلاش میں برٹش میوزیم لندن جانا پڑا، کیمبرج میں پڑے پڑے اکتا گیا تھا، دو دن کے کام کو چار دن پر پھیلا دیا، ایک دن یونہی سوانحوں کے مکتوبات کے سلسلے میں سر آمد مستشرقین قدیم و جدید جناب ریو کی فہرست مخطوطات ترکی کو الٹ پلٹ رہا تھا کہ سلطان سلیم کا نام نظر آیا، مجھے اس ترک سلطان سے خاص عقیدت ہے اس کا فارسی دیوان بڑی جد و جہد سے حاصل کیا ہے، جلد جلد اندراج پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسودہ نمبر ۷۷۸۶ .A D سلیم اول نہیں بلکہ سلیم ثانی کا فارسی دیوان ہے، کچھ حیرت بھی ہوئی کیونکہ سلیم ثانی فارسی میں شعر گوئی سے قطعًا ناواقف تھا، کچھ خوشی بھی ہوئی کہ ایک نئی دریافت ہوئی، مگر یہ مسودہ جو نکلوایا تو سلیم اول کا کلام پایا، (یہ خوشخط مگر غلط نسخہ ہے جس میں کئی کام کی چیزیں غائب ہیں) ضیا بے کی خرابات کے انتخاب سے مقابلہ کیا، اپنے نسخے کو دیکھا، ادھر ریو کی شہرت، ادھر اپنی آنکھیں، جب اپنے ہی پر اعتماد کرتا، مگر ریو نے اپنے اندراج میں بعد وثوق دو اور نسخوں کا حوالہ دے رکھا تھا، ایک کنگز کالج کیمبرج کا نسخہ نمبر ۱۶۳، اور ایک پیٹرز برگ لائبریری کا! کیمبرج واپس آیا تو چھٹیوں ہی میں کنگز کالج کے کتب خانے کو کھٹکھٹایا، وہاں کچھ اور ہی ماجرا پایا، نمبر ۱۶۳ کسی شکاری کے انگریزی میں حالات ہیں! میں نے نگران سے کہا کہ ریو کا حوالہ غلط نہیں ہو سکتا، ریو کے نام پر وہ بھی چونکا اور کہنے لگا واقعی ریو کا حوالہ غلط نہیں ہو سکتا، چنانچہ پڑتال کے بعد معلوم ہوا کہ نئی فہرست بناتے وقت یہاں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے، ۱۶۳ واقعی دیوان سلیم ہے، نگران نے ریو کا نام دوبارہ بصد احترام لیا اور نسخہ میرے حوالہ کر دیا، مگر استغفر اللہ؟ یہ تو شاہجہانی عہد کے شاعر سلیم طہرانی کا دیوان ہے، نہ سلیم اول نہ سلیم ثانی: اس میں پان کا ذکر لذیذ ہے ؎

بہ پاں سرے ست چو در ملکِ ہند خوباں را   چمن بخونِ گل و لالہ پرور دیاں را

نمی تواں ز نزاکت دلیر بوسیدن   چو برگ لالہ لبِ سرخِ ایں سیاہاں را

مستشرقین کہہ سکتے ہیں کہ شاید سلطان سلیم نے پان کا ذکر سنا ہو گا، یا کوئی ہندوستانی لونڈی پیش نظر ہو، ایک قطعہ میں پھٹے ہوئے جوتے کی شکایت ہے، یہ بھی شاید شاعرانہ مضمون بندی پر محمول کیا جا سکے، اسی طرح

ع زشوقِ شال سرم راہوائے کشمیر است، کی بھی تاویل ہو سکتی ہے، مگر شاہجہان اور وزیر سلطنت اسلام خان کے قصائد کا کیا کیا جائے، اور امرا کی "بھٹ گری" ؎

تا چند کنی فکر پئے جائزہ دادن   در گفتن شعر این ہمہ من فکر نہ کردم

اور یہ حسرت بھری یادِ وطن ؎

زہند ہر کہ سفر می کند تسلیم بگو   سلام ما برساند دیارِ ایراں را

کنگز کالج کے فہرست نگار نے اسے محض "دیوان سلیم" لکھا ہے اور اس سے بڑھکر کوئی تحقیق نہیں کی ہے، مگر تفصیل مندرجات کے دیتے ہوئے چند سطروں ہی میں "استشراق" کا حق ادا کر دیا ہے، تین مثنویوں کو ایک بنا دیا ہے، قصائد اور مناقب کو خلط ملط کر دیا ہے، اور قطعات کی صنف سے ناآشنائی کا اظہار فرمایا ہے! اب رہا پیٹرز برگ کا نسخہ، یہ فرانسیسی فہرست مخطوطات میں نمبر CDLXXIV ہے، اور فہرست نگار نے بوضاحت اسے سلیم اول کا دیوان قرار دیا ہے اور سنین سلطنت بھی دئیے ہیں، اور کتب خانہ حمیدیہ اور نوری عثمانیہ کے نسخوں کا بھی ذکر کیا ہے، مگر "استشراقیت" کے جملہ لوازم مہیا کرنے کی خاطر میں نے ڈرتے ڈرتے پیٹرز برگ (اشتراکی لینن گراڈ) بھی یہ سب کچھ لکھ بھیجا ہے:

لیکن سلطان سلیم کا دیوان منہ سے بول رہا ہے کہ یہ سلیم اول کا کلام ہے، اس کی اسلامی فتوحات، اور اس کی مجاہدانہ روح چھپائے نہیں چھپتیں، اسمٰعیل صفوی کی قزلباش (سرخ سر) فوجوں کا ذکر، مصر کی فتح، حجاز کی تسخیر ایک ہی نظم میں بہم موجود ہیں ؎

لشکر از تختِ ستانبول سوئے ایران تاختم   سرخ سر را غرقۂ خونِ ملامت ساختم

شد غلام ہمتم از جان و دل والیٔ مصر   تا لوائے خسروی بر نہ فلک افراختم

کرد از ملکِ عراق ایں مژدہ آہنگِ حجاز   چنگِ نصرت را چو در بزم ظفر بنواختم

سارا کلام دلچسپ ہے، ترکی میں فارسی ادب کے عروج کی داستان ایک مستقل تصنیف کی محتاج ہے

گب انجہانی کی تاریخ بالکل ابتدائی ہے، مگر غنیمت ہے، مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ سلطان سلیم کے دیوان کے متعلق گب نے دوسری جلد کے کسی حاشیہ مین ریوسے اختلاف کیا ہے مگر نہ دلائل دیئے مین اور نہ کنگز کالج اور پیمبروک کے حوالہ جات کی تردید کی ہے، حالانکہ براؤن نے نظر ثانی اور ترتیب کی ہے، بلکہ لکھا ہے کہ ریو سے غلطی النادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے!!

آیندہ کام | مجھے ڈر ہے کہ میرا خط "مقالۂ افتتاحیہ" بنتا جاتا ہے، بلکہ بن چکا ہے، اسے چار مہینے کی خاموشی کا رد عمل سمجھئے، اب نئے ٹرم کا آغاز ہے، ۹ رجون تک معروف رہونگا، پھر لمبی چھٹیون کا بیشتر حصہ برٹش میوزیم مین گزارونگا، کیمبرج ہی رہتا، مگر یہان کی لائبریری کئی صدیون کے بعد نئی عمارت مین منتقل ہو رہی ہے، لہذا چار مہینے بند رہے گی، پروفیسر اور ریسرچ کرنے والے طلبہ سراسیمہ ہو رہے ہین، مجھے خود لندن کا شور و غوغا پسند نہین مگر مجبوری ہے، شاید کچھ عرصہ فرانس رہون، وہان کی لوُر گیلری دوبارہ باطمینان دیکھنا چاہتا ہون اور خوش قسمتی سے فرانسیسی سیکھنے کے لئے جو وظیفہ ملا ہے اسکے لئے بھی وہان جانا ضروری ہوگا، لہجہ درست کرنے کی خاطر،

تعلیمی کامیابی | آپ خوش ہونگے پہلے ٹرم کے کام کے بعد مجھے انگلش بورڈ نے ایم لٹ سے اٹھا کر پی ایچ۔ ڈی مین ڈالدیا ہے، اس سے میرے بعد آنے والے ہندوستانی اور دیگر اجنبی طلبہ کے لئے نظیر قائم ہوگئی ہے، گو براہ راست انگریزی کی پی ایچ ڈی مین نہین لینگے مگر دو تین ماہ کے کام کے بعد تو لے لین گے، قاعدہ کلیہ کی استثنا تو ہوگئی،

مین شاید پہلا ہندوستانی ہونگا، جسے انگریزی مین کیمبرج یا اوکسفورڈ سے پی۔ ایچ۔ ڈی ملے گی، خدا اگر کامیاب کردے، مجھے اپنی نااہلیت کا سخت احساس ہے، میرے لئے دعا مانگتے رہئے، مین آپ کی دعاؤن کا بے حد محتاج ہون ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

دیگر کار لائقہ سے یاد فرمایئے، آپنے لکھا تھا کہ تم سے بہت سے کام لینے ہین، فرمایئے!

دہ فصلِ تبریزی

ترک فاضل عالی رومی المتوفی ۱۰۱۱ھ کی کتاب ربیع المرسوم کا ذکر ہماری کتاب خیام مین آیا ہے، ربیع المرسوم کا نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ دارالمصنفین مین موجود ہے، عالی دسوین صدی اور گیارہوین صدی ہجری کا ایک ترک فاضل اور ترکی و عربی و فارسی کا مشہور شاعر تھا، اس نے ۱۰۰۲ھ ربیع المرسوم کے نام سے اپنے فارسی منظومات کا مجموعہ مرتب کیا ہے، اس کا پہلا حصہ ان فارسی رباعیات پر مشتمل ہے، جنکو عالی نے خیام کے رباعیات کے جواب مین لکھا ہے، اس جوابی حصہ کے شروع مین عالی نے خیام کے حالات جن ماخذون سے جمع کئے ہین، ان مین ایک تبریزی کی دہ فصل ہے، اور اسی ذریعہ سے ہم نے اس رسالہ کا حال جانا،

کتاب خیام کی تالیف کے وقت تک ہم تبریزی اور اُسکی دہ فصل سے براہ راست واقف نہ تھے، چنانچہ تالیف مذکور مین جہان اس کا ذکر آیا تھا، یہ لکھدیا گیا تھا کہ "ہم تبریزی اور اس کی دہ فصل سے واقف نہین" کتاب کی اشاعت کے بعد حیدرآباد دکن سے خیامیات کے ایک بڑے صاحبِ ذوق ماہر نیڈت وینکٹ راؤ داتار نائب معتمد مالیات سرکار نظام نے کتابِ خیام کی بیحد مدح و ستایش فرمائی بلکہ انھون نے یہانتک لکھا کہ خیام کے متعلق کسی زبان مین آج تک یہ معلومات فراہم نہین ہوئے، ساتھ ہی بڑی بشارت انھون نے یہ سنائی کہ خیام کے رباعیات کے متعدد قلمی مجموعون کے علاوہ تبریزی کی یہ دہ فصل بھی ان کے پاس موجود ہے، اور اس کے بعد مہربانی یہ فرمائی کہ اس رسالہ کی ایک نقل اور ابتدائی صفحات کے فوٹو عنایت کئے،

اس نسخہ کے دیکھنے کے بعد یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آگئی کہ عنوانات پر تقسیم کرکے رباعیات خیام کا سب سے پہلا مدوّن و مرتب نسخہ غالباً یہی ہے، اس نے حروف تہجی کی رعایت نہین کی ہے،

اس نسخہ کے سرورق پر اس کے پہلے مالک "مالکہ حسن بن علی الحسینی" کی مہر ہے، اور ایک اور بھی مہر ہے، دیباچہ سے معلوم ہوا کہ رسالہ کا اصلی نام "طرب خانہ" ہے، لیکن چونکہ یہ دس فصلوں پر مرتب ہے، اس لئے دہ فصل کے نام سے مشہور ہوا، مصنف کا نام یار احمد بن حسین الرشیدی المشتہر بالتبریزی ہے، طرب خانہ تاریخی نام ہے، اس سے بحساب جمل ۸۶۷ھ نکلتے ہین، چنانچہ مصنف مذکور دیباچہ مین کہتا ہے،

بہ دہ فصل این نسخہ اتمام یافت	بترتیب احسن بوجہ نیکو
طرب می فزاید ز ہر صفحہ اش	ورت نیست باور بہ بین روبرو
طرب خانۂ اہل فضل است و ہست	طرب خانہ تاریخ اتمام او

اس سے ظاہر ہے کہ اس رسالہ کی تالیف کا سال ۸۶۷ھ ہے، اور یہ سنہ بوڈلین لائبریری کے نسخہ کے سنہ سے صرف دو سال بعد کا ہے، یعنی بوڈلین کا نسخہ ۸۶۵ھ مین تبریزی کے شہر تبریز مین لکھا گیا ہے،

اس رسالہ مین تبریزی نے خیام کے رباعیات کو نو متفرق عنوانون مین تقسیم کیا ہے، اور ہر عنوان کے نیچے اس عنوان کی مناسب رباعیان جمع کی ہین، اور آخری دسوین فصل مین خیام کے حالات مین دس حکایتین درج کرکے رسالہ کو ختم کیا ہے،

وہ نو عنوانات جنپر تبریزی نے خیام کی رباعیون کو تقسیم کیا ہے، حسب ذیل ہین،

۱- فی التنزیہ والمناجاۃ وطلب المغفرۃ وما یتعلق بہ،

۲- فی الحکمیات واسئلۃ الحکمۃ والاعتراضات وغیرہ،

۳- فی النصائح والآداب وما یناسب بہا (کذا)

۴- فی الاغتنام والفرصۃ وتضیق العیش وحدوث العالم والفناء وغیرہم (کذا)

۵- فی الخمریات والبحث وما یتعلق بہا،

۶- فی جریان الفصول خصوصاً فی الربیع والعیدین، واغتنام اوقاتہم (کذا)

۷- فی النکات والتضمینات والملمعات،

۸- فی الموقوفات،

۹- فی السکریات والہزل وما یناسب بہا (کذا)

افسوس ہے کہ پیش نظر نسخہ مین یہ نو دن فصلین علحدہ علحدہ لکھی نہین، یا اس مین سے کچھ صفحے گر گئے ہین، آخری دسوین فصل مین خیام کے متعلق دس حکایتین ہین، یہ تمام حکایتین بے سند اور محض گڑھی ہوئی ہین، اور یہ اکثر وہی ہین، جو پچھلے تذکرون مین خیام کے متعلق ملتی ہین، مثلاً،

۱- حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر اور خیام کے درمیان سوال وجواب،

۲- شکارگاہ مین خیام کے شکاری کتے کا ڈر کر بھاگنا، اور خیام کا اس پر رباعی موزون کرنا،

۳- خیام کا قائل تناسخ ہونا اور گدھے کے کان مین رباعی پڑھنا،

۴- امام محمد غزالی کا خیام سے تلمذ، اور نشہ کی حالت مین خیام کا ان کو اجازہ دینا،

۵- حکیم ناصر خسرو کا اپنی تالیف روشنائی نامہ خیام کے پاس بھیجنا،

۶- خیام اور محتسب والاقصۃ،

۷- بخارا مین امام بخاری کے مزار پر پہنچکر خیام پر مجذوبانہ کیفیت کا پیدا ہونا

۸- وفات اور امام سنائی کے استاد محمد منصور سے تلمذ،

۹- خیام کے کوئی اولاد نہ تھی،

۱۰- سبزوار مین نظامی عروضی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ کا دیکھنا اور اس کے نیچے یہ لکھا ہونا کہ مین آخری دفعہ اس سے ملا، اور اس سے اس کی قبر کی نسبت پیشینگوئی سنی، چند سال کے بعد اس کی قبر پر جانا، اور اسکی مان سے ملنا، اور ماں کا اپنے بیٹے کی بخشایش کے متعلق خواب دیکھنا، اور یہ رباعی اسکی زبان سے سننا ع ای سوختہ سوختہ سوختنی الخ

عالی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اسمین نظامی کی اس ملاقات کی تاریخ ۵۲۲ھ لکھی ہے لیکن تبریزی کے پیش نظر نسخہ مین ۵۱۲ھ ہے اور سب جانتے ہین کہ اصل چہار مقالۂ عروضی کے قلمی ومطبوعہ نسخون مین اس ملاقات کی تاریخ ۵۳۰ھ لکھی ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

"س"

تلخیص و تبصرہ

"دانشگاہ" ایران

یعنی

ایران کی ایک نئی یونیورسٹی

ایران کی حکومت جب سے رضا شاہ جیسے مدبر و ہوشمند فرمانروا کے ہاتھون مین آئی ہے، اس وقت سے ایران اپنے ہر شعبۂ عمل مین روز بروز ترقی پر ہے، اور نہایت سلامت روی، اور روح اسلامی کے قیام و بقار کے ساتھ مختلف قسم کی مدنی، علمی، و تعلیمی ترقی عمل مین آرہی ہے، اسی سلسلہ مین حکومت ایران نے ایک نئی یونیورسٹی "دانشگاہ" کے نام سے آیندہ سال قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، بلکہ اس یونیورسٹی سے ملحق ہونے والے بعض مدارس عالیہ کا افتتاح اسی سال ہوگیا ہے، جس کے حالات صحیفۂ "الفتح" مصر مین آئے ہین،

اس یونیورسٹی یعنی "دانشگاہ" ایران کے ماتحت مختلف علوم و فنون کے علحدہ علحدہ کالج (مدارس عالیہ) کھولے جائین گے، جنمین سے ایک کالج "کلیہ اسلامیہ" (اسلامیہ کالج) کے نام سے اس سال کھل گیا ہے، اسی طرح سال آیندہ طب، قانون و سیاست، سائنس، آداب و فلسفہ، اور صنعت و حرفت کے لئے علحدہ علحدہ کالج کھولے جائین گے، اور یہ دانشگاہ (یونیورسٹی) کلیۂ اسلامیہ (اسلامیہ کالج) کلیۂ طبیہ (مڈیکل کالج) کلیۂ حقوق و سیاست (لا کالج) کلیۂ علوم (سائنس کالج) کلیۂ فنون (آرٹس کالج) اور کلیۂ فلسفہ و آداب و تربیت پر مشتمل ہوگی،

ان مین سے کلیۂ علومِ دینیہ اسلامیہ کا افتتاح گذشتہ مہینہ مین ہوگیا ہے، اس موقع پر وزیر تعلیم نے اپنے خطبہ مین کہا:-

"وزارت تعلیم نے علوم دینیہ اسلامیہ کے لئے ایک کلیہ کی تاسیس و قیام کا عزم کیا ہے، اسلامی علوم و فنون اس وقت یورپ کے علوم جدیدہ و فنون متنوعہ سے متزلزل ہو رہے ہین، وزارت تعلیم نے عزم کیا ہے کہ وہ مختلف اسلامی علوم و فنون فقہ، حکمت و فلسفہ و ادب کو جمع کرکے ان کی حفاظت و ترقی کی خدمت انجام دے، انہی اغراض و مقاصد کے ساتھ اس وقت طہران مین اس مدرسہ کا افتتاح کیا جاتا ہے، جو نمونہ ہوگا، اپنے ان تمام مدارس کا جو ایران کے مختلف شہرون مین قائم ہونگے، اور اس مرکز سے ملحق کئے جائین گے"؛

اس مدرسہ علوم دینیہ اسلامیہ کا افتتاح طہران کی ایک وسیع مسجد مین کیا گیا ہے، یہ مسجد جو "مسجد سپہ سالار" کے نام سے موسوم ہے، طہران کی خوبصورت ترین عمارتون مین شمار کیجاتی ہے، اس کا بانی حسین خان سپہ سالار نامی تھا، جس نے سنہ ۱۲۹۶ھ مین اس کی تعمیر شروع کی، اور جو سنہ ۱۳۰۲ھ مین اختتام کو پہنچی، مسجد مین کہین کہین مرمت اور ترمیم کی ضرورت تھی، حکومت نے اسکی ترمیم و تکمیل کا کام بھی شروع کر دیا ہے، تاکہ یہ اس مذہبی مدرسہ کیلئے جو کار آمد ہو،

اس مدرسہ کا نصاب مرتب کر لیا گیا ہے، علوم دینیہ اسلامیہ کے تین شعبے علومِ نقلیہ، علوم عقلیہ، اور فنونِ ادبیہ قرار پائے ہین،

اس مدرسہ سے متعلق ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کر دیا گیا ہے، جس مین اس وقت تک ۴،،۳ کتابین داخل ہو چکی ہین جنمین سے ۲۱۵۱ قلمی کتابین ہین، ان قلمی کتابون مین سے اکثر ایسی ہین، جن کے نسخے یورپ اور ایشیا کے کتب خانون مین مشکل سے ملتے ہین،

اس مدرسہ کے لئے مقصورۂ مسجد کی بلندی پر ایک کمرہ بھی تعمیر کیا گیا ہے، جس مین ایران کا ایک نو ایجاد آلہ "شاقول" نصب کیا گیا ہے، اس آلہ کو وزارت تعلیم نے پیش کیا ہے، یہ آلہ حرکت زمین کی پیمائش کا کام

دیگا، اس کی ایجاد اس آلہ کی بنیاد پر ہے، جسے لیون فوکو نے ۱۸۵۱ء مین پیرس مین ایجاد کیا تھا، اسی سلسلہ افتتاح مین اس آلہ کا تجربہ بھی پہلی مرتبہ پبلک کو دکھایا گیا، حاضرین اپنی اس ملکی ایجاد کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے، اسے ایران کے ایک ریاضی دان استاذ نے تیار کیا ہے،

اس کلیہ مین تعلیمی مدت ۶ سال رکھی گئی ہے، جو ہر یک شعبہ منقول و معقول و ادبیات کے لئے جداگانہ ہے، اس ۶ سال کی مدت کے پہلے ۴ سال پر تعلیم کا ایک درجہ تمام ہو جاتا ہے، جس کو ختم کرنے پر طلبہ کو "سند یافتہ" کی سند دیجائے گی، پھر جو طالب علم مزید ۲ سال کی تکمیل کر سکیگا اُسے "فقیہ" "حکیم" اور "ادیب" کی سند عطا کیجائے گی، جو یورپ کی یونیورسٹیون کی "ڈاکٹریٹ" کی سند کے مساوی ہوگی،

پھر اسی طرح اس "دانشگاہ" کے دوسرے کلیات کا افتتاح ہوگا، اور ایران کے دوسرے شہرون مین اسی نمونے کے مدارس عالیہ کھولے جائین گے، جو سب کے سب اس "دانشگاہ" کے ماتحت اور ملحق ہونگے،

"ر"

ترکی کی وزارت تعلیم و حفظانِ صحت کی دہ سالہ خدمات،

ترکون نے جنگ عظیم کے بعد استقلال و آزادی وطن کے لئے جو سرفروشانہ متحدہ کوششین کین، ان کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ ۱۶ سالہ طلبہ تک مدارس و مکاتب سے نکل کر میدانِ جنگ مین آگئے، اور سرفروشی کرکے وطن کی عزت و ناموس بچائی،

وزارت تعلیم کے خدمات

استقلالِ وطن کے بعد یہ طلبہ پھر مدارس و مکاتب مین لوٹ آئے، اس وقت تک یہ مدرسے پہلے سے زیادہ زبون حالات مین پہنچ چکے تھے، اور ملک مین تعلیمی ترقی کا سلسلہ مسدود ہو چکا تھا، اس لئے جب نوجوان ترک، استقلالِ وطن کے بعد اصلاحِ وطن کی جانب متوجہ ہوئے، تو تعلیمی سلسلہ مین ان کی پہلی نظر انھی مدارس و مکاتب پر پڑی، اور انھون نے حکومت مین ایک شعبہ وزارت تعلیم قائم کرکے تمام تعلیمی مسائل اس کے سپرد کر دیے، وزارت تعلیم نے اپنا تعلیمی پروگرام مرتب کرکے اپنی دہ سالہ کوششون سے ان مدارس و مکاتب کو ان کے اعلیٰ مدارج تک

پہنچا دیا، اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد صحیح و مفید تعلیمات سے بہرہ اندوز ہو کر ان مدارس سے نکلی،

اس تعلیمی پروگرام مین سب سے پہلی چیز دار المعلمین (ٹریننگ کالج) کی بنا و تاسیس تھی، چنانچہ ۲۵ دار المعلمین قائم کئے گئے، جن سے اساتذہ کی ایک کثیر تعداد فارغ التحصیل ہو کر نکلی، اور آجکل انھی دار المعلمین کے فارغ التحصیل مین سے (۱۵) ہزار اساتذہ ابتدائی جماعتون کو تعلیم دیتے ہین جنمین اسوقت ۵۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہین، اگر اس تعداد کی ترکون کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے تطبیق دیجائے تو معلوم ہوگا کہ گویا ترکی مین جبری ابتدائی تعلیم کا قانون رائج ہو چکا ہے،

ترکون نے جبری تعلیم کا واقعی قانون بھی نافذ کیا، جس سے ترکون کے خواندہ افراد کے اعداد و شمار مین نمایان ترقی ہوئی، جس زمانہ مین ترکی مین نئے لاطینی حروف رائج کئے گئے، ان دنون وہان ہزارون مدارس ہر ہر شہر اور قریہ مین کھولے گئے، اور حکم نافذ ہوا کہ ترکی کا ہر متنفس اپنے روزانہ کے معمولات سے فارغ ہو کر ان مدارس مین حاضر ہو اور ان حروف مین لکھنا پڑھنا سیکھ لے، ہر شہر کے باشندون کی حاضری کا رجسٹر مرتب کیا گیا، اور ان رجسٹرون مین شہر کے ہر باشندہ کی حاضری لازمی قرار پائی، اور ان حروف مین نوشت و خواند کی سند کا حاصل کر لینا بھی لازمی قرار پایا، چنانچہ تمام مرد، عورت، بوڑھے، جوان، امیر اور فقیر ان مدارس مین حاضر ہونے لگے، اور اس وقت تک ۱۰ لاکھ نفوس ان لاطینی حروف مین لکھنے پڑھنے کی سند حاصل کر چکے ہین، اس جبری تعلیم سے ترکون کی خواندہ جماعت مین غیر معمولی اضافہ ہو گیا،

اسی طرح اس وقت ترکی کے ثانوی مدارس مین ۵۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہین، ان مدارس مین مختلف علوم کے علاوہ، زراعت، صنعت اور تجارت وغیرہ کی تعلیم بھی دیجاتی ہے، پھر "دار الفنون" کے نام سے مدرسے جداگانہ ہین، جن مین ثانوی مدارس سے فارغ ہو کر طلبہ داخل ہوتے ہین، دار الفنون مین ریاضی، طبیعیات، فلسفہ، قانون و اقتصاد وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، دار الفنون کے پروفیسرون کی تعداد ۵۰۰ ہے، دار الفنون مین مختلف مضامین کے لئے جداگانہ مدارس عالیہ ہین، جن مین مختلف علوم و فنون تجارت، صنعت، زراعت، جنگلات، کمپونڈری، دندان سازی، بیطاری، انجنیری اور جہاز رانی وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، اسی طرح فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ حربیہ ہے، لیکن اسکا تعلق وزارت حربیہ سے رکھا گیا ہے، وزارت حربیہ نے بھی ان مدارس پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، اور اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا ہے

ترک لڑکیون کو بجز مدارس حربیہ کے تمام مدارس مین اپنا داخلہ کرانے کا حق حاصل ہے، چنانچہ وہ بھی مردون کے دوش بدوش پڑھتی ہین، اور مدارس ثانوی سے نکل کر دار الفنون کے مختلف شعبون کے مدارس عالیہ مین داخل ہوتی ہین، اور بالعموم ڈاکٹری، کمپونڈری، اور دندان سازی وغیرہ کے مدارس سے فارغ ہو کر نکلتی ہین، نیز نسوانی ضروریات کی خاص تعلیم کے لئے علحدہ مدرسے کھولے گئے ہین، یہ گویا اسی طرح عورتون کے لئے مخصوص ہین جیسے مدارس حربیہ مردون کے لئے خاص ہین، عورتون کے ان مدارس مین سب سے اعلیٰ پیمانہ پر انگورہ کا مدرسہ "مدرسہ عصمت پاشا" ہے، ان مدارس مین نسوانی ضروریات کی تعلیم و تدریس کے وہ جملہ ضروری سامان جو زمانہ حال مین مہیا ہو سکتے ہین، موجود ہین، اسی طرح عورتون کے لئے ایک قسم کے جداگانہ مدارس اور بھی ہین، جن مین انھین سینے پرونے، بننے، بچون کی پرورش اور امور خانہ داری کی تعلیم و تربیت دیجاتی ہے،

وزارت تعلیم نے صنعتِ طباعت و نشر کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ مین رکھا ہے، مطابع زیادہ تر قسطنطنیہ مین کھولے گئے ہین، جن سے کتابون کی بڑی تعداد چھپ کر نکلتی ہے، چنانچہ اعداد و شمار کے لحاظ سے ۴ ہزار قسم کی کتابین سالانہ چھپ کر نکلتی ہین، اور ان کی مجموعی تعداد ۴ لاکھ ہوتی ہے، اسی طرح اس نے مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابون کی تالیف و ترجمہ کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ مین رکھا ہے، جن طریقون پر نصاب کی یہ کتابین تیار کیگئی ہین، اور جس نوع کے ان مین مضامین ہین، ان کا تذکرہ معارف کے ان صفحات مین کسی گذشتہ موقع پر آچکا ہے،

وزارت تعلیم نے ملک مین علوم و فنون اور صنعت و حرفت کے پھیلانے اور ذوق پیدا کرنے کی بھی پوری کوششین کی ہین، چنانچہ اکثر شہرون مین زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کی نمائش گاہین قائم کی گئی ہین، اور ان کے نہایت مفید اثرات ملک مین مترتب ہوئے ہین، اسی طرح اشاعت کا ایک مخصوص طریقہ اس نے یہ اختیار کیا ہے کہ چند موٹرون پر انواع و اقسام کی چیزین لاد کر ملک مین انھین گشت کرنے کے لئے متعین کر دیا ہے، یہ موٹرین ایک شہر سے دوسرے شہر مین جاتی ہین، چیزون کی نمائش کرتی ہین، اور لوگون کو شوق دلاتی ہین، ان اشتہاری موٹرون کا تذکرہ بھی ان صفحات مین کسی موقع پر مفصل آچکا ہے،

اسی طرح علوم تاریخ و جغرافیہ وغیرہ کی خدمت کے لئے مختلف علمی انجمنین مختلف مقامات پر قائم ہین، ان انجمنون کے ارکان کی مجموعی تعداد جو ان سے دلچسپی لیتے ہین، اور کام کرتے ہین، ہزارون تک ہے، یہ تمام جمعیتین اور انجمنین ایک مرکزی انجمن "انجمن دانش" (اکاڈیمی) کے ماتحت ہین،

ملک مین اس قسم کی مختلف علمی، ادبی، تعلیمی اور صنعتی ترقیون کے باوجود، ترکی سے ہر سال جو طلبہ تحصیل علوم کیلئے یورپ و امریکہ کو جاتے ہین، ان کی تعداد ہر سال ایک ہزار سے زیادہ ہوتی ہے،

وزارت صحیہ کے خدمات

وزارت حفظان صحت کی دہ سالہ ترقیان حیرت انگیز ہین، ترکی مین قیام جمہوریت سے پیشتر عہد عثمانی مین حفظان صحت کا صرف ایک محکمہ "محکمہ حفظان صحت" تھا، جو وزارت داخلیہ سے ملحق تھا، حکومت ملیہ انگورہ نے معاہدۂ لوزان کے بعد جب نئے سرے سے حکومت کی تشکیل کی تو اس نے ایک مستقل وزارت، "وزارت صحیہ و معاونت اجتماعیہ" کے نام سے قائم کی،

"وزارت صحیہ و معاونت اجتماعیہ" نے اولاً ہر ولایت مین ایک محکمہ حفظان صحت اور ضلع کی ہر حکومت مین ایک محکمہ طبابت قائم کیا، اور یہ سب اپنے مرکز "وزارت صحیہ و معاونت اجتماعیہ" سے ملحق رہے، اس طریقے سے ۶۲ محکمہ حفظانِ صحت اور چند سو محکمہ طبابت قائم ہو گئے،

اس جدید نظام کے قیام سے ایک دشواری ڈاکٹرون کے ملنے کی ہوئی، ترکی کے سند یافتہ ڈاکٹر بالعموم بڑے اور مرکزی شہرون مین رہنے کے عادی تھے، وہ چھوٹے شہرون اور دیہاتون مین جانے سے گھبرائے، بالآخر حکومت کو ایک جبری قانون نافذ کرنا پڑا کہ ہر ڈاکٹر کیلئے دو سال کسی نہ کسی چھوٹے شہر اور دیہات مین قیام کرنا لازمی ہے، اس قانون کے نفاذ کے بعد ملک کے گوشہ گوشہ مین طبی امداد مہیا ہو گئی،

اس کے بعد وزارت صحیہ نے شفاخانے کھولنے کا اہتمام کیا، چنانچہ ابتداءً (۱۵۰) چھوٹے بڑے شہرون اور دیہاتون مین ایسے شفاخانے کھولے گئے، جن مین مریضون کے قیام کا بھی انتظام تھا، پھر (۳۰۰) شہرون اور دیہاتون مین چھوٹی ڈسپنسریان کھولی گئین جنمین مریض اپنا معائنہ کراتے، اور دوائین لے کر چلے جاتے

ڈسپنسریون اور شفاخانون کے کھولنے مین تعمیرات کا ایک وسیع سلسلہ چھڑ گیا، اور بیک وقت لاکھون روپیے کے مصارف حکومت کو برداشت کرنے پڑے،

وزارت صحیہ نے ان اسپتالون کے قائم کرنے کے علاوہ ایک دوسری مفید اجتماعی خدمت جو انجام دی وہ امراض متعدی و وبائی کے لئے ایک مستقل محکمہ کا قیام ہے، جس حصۂ ملک مین جن جن امراض کا غلبہ تھا، وہان ان کے مخصوص اسپتال قائم کئے، اس طرح پوری مملکت ترکیہ امراض کی نوعیت کے لحاظ سے متعدد حصون مین تقسیم ہوگی اور ہر حصہ مین مختلف امراض ملیریا، آتشک، سل، دق اور بچون کے خاص امراض کے علاج کے مرکز قائم کئے گئے ان مرکزون اور ان کے ماتحت مقامات کا مفصل نقشہ شائع کیا گیا ہے، اسیطرح ان شفاخانون، ڈسپنسریون، اور علاج کے مرکزون مین جو دوائیان بہم پہنچائی گئین، ان کی لاگت لاکھون تک پہنچی ہے،

ان طبی کوششون سے ترکون کی صحت و تندرستی کو نمایان فائدہ پہنچا، اور اعداد و شمار واضح ہین کہ ہر قسم کے امراض مین نمایان کمی ہوگئی، اور لاکھون مریض صحتیاب ہوئے،

وزارت صحیہ نے بچون کی پرورش، پرداخت، اور ان کے علاج و معالجہ پر خصوصیت سے توجہ کی، اور بچون کے موجودہ پرورش و پرداخت کے طبی و تمدنی اصول و طریق کی عوام مین اشاعت کی، اور خود حکومت نے ایسے مرکز قائم کئے جن مین اعلیٰ پیمانہ پر پرورش و پرداخت کا سامان بہم پہنچایا، چنانچہ انگورہ، بلاطہ، آطنہ اور ارض روم وغیرہ مین پرورش اطفال کے مرکز قائم ہین،

اسی طرح اس نے دواؤن کی تیاری کے لئے متعدد معمل اور ادارے کھولے، جن مین علمی و فنی تدقیقات کے ساتھ دوا سازی کا کام جاری ہے، ان کی بھی ایک لمبی تفصیل ہے،

وزارت صحیہ کے قوانین، طریق کار اور نظام کی تفصیل مین کتاب کی ایک مستقل ضخیم جلد ہے، حقیقت یہ ہے کہ ترکی جمہوریت سے ترکی قوم کو جو فوائد پہنچے ہین، انھین دیکھنے کے لئے محض وزارت تعلیم و وزارت صحیہ و معاونت اجتماعیہ کی خدمات پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہے، اُن سے حکومت کے دوسرے شعبون کی کارگذاریون کا بھی اندازہ ہو گا اور نظر آئیگا کہ ترکی حکومت نے پوری مملکت ترکیہ اور ترکی قوم مین ایک نئی روح پھونک دی ہے، جو پوری قوم کو بیدار کرکے اسکو ہر شعبۂ زندگی مین اسکے معراج کمال پر لیجا رہی ہے،

(آئینۂ عرفان کابل)

کرۂ ارض کے علاوہ کسی اور سیارہ پر حیات کا امکان

ڈاکٹر والٹر اڈمس (WALTER ADAMS) نے جو رصد خانہ ماونٹ ولسن (امریکہ) کے ڈائرکٹر ہین، حال مین یہ دریافت شائع کی ہے کہ نظام شمسی کے نو سیارون مین صرف تین سیارے ایسے ہین جہان حیات ممکن ہے، یہ سیارے زہرہ، ارض، اور مریخ ہین، عطارد حد سے زیادہ گرم اور کرۂ ہوا سے بالکل معریٰ ہے، اس لئے وہان زندگی کا قیام ممکن ہی نہین، زہرہ کی آب و ہوا اس سے بہت زیادہ بہتر ہے، اس کی وسعت کرۂ ارض کی وسعت کے قریب قریب ہے، اس کا کرۂ ہوا بھی کافی وسیع ہے، اگرچہ اس کا کرۂ ہوا زمین کے کرۂ ہوا سے کسی قدر کم کثیف ہے، اور گہرے بادلون سے پر رہتا ہے،

ڈاکٹر اڈمس کا خیال ہے کہ ہیئت دانون نے زہرہ کی سطح غالبًا اب تک نہین دیکھی ہے، اسی وجہ سے اس کی سطح کے حالات سے متعلق کوئی واقفیت موجود نہین ہے، یہ بھی دریافت نہین ہو سکا ہے کہ زہرہ مین دن کتنا بڑا ہوتا ہے، اس سیارہ کی رات کے حصہ کا ٹمپریچر بھی بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جو دن کے حصہ کا ہے، لہذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی گردش محوری چھوٹی ہے، برخلاف اس کے طیف نما (SPECTYOSCOPE) کی مدد سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک دن کرۂ ارض کے کئی دنون کے برابر ہے، زہرہ کے کرۂ ہوا کی ترکیب کا اہم مسئلہ طیف نما نے ایک حد تک حل کر دیا ہے، بادلون کی تہ کے اوپر زیادہ تر کاربن ڈی اکسائڈ (CARBON DIOXID) ہے، اور اگر اس کے تمام کرۂ ہوا مین یہی عنصر غالب ہے تو یقینًا اس کی سطح پر اُس نوع کے جاندارون کا وجود ممکن نہین جس نوع کے جاندارون پر کرۂ ارض کی آبادی مشتمل ہے، اس سلسلہ مین ایک نظریہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ زمین کے کرۂ ہوا کا آکسیجن پودون سے نکلتا ہے جو کاربن ڈی آکسائڈ استعمال کرتے ہین اور آکسیجن کو بیکار پیداوار کے طور پر خارج کر دیتے ہین، ممکن ہے کہ زہرہ کے کرۂ ہوا مین کاربن ڈی آکسائڈ کی کثرت کی وجہ سے پودے یا جاندار وہان زندہ نہ رہ سکتے ہون، لیکن یہ چیز

یقین کے ساتھ نہین کہی جاسکتی، کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کرۂ ہوا کا بالائی حصہ اس کے تحتانی حصہ سے بہت کچھ مختلف ہو، چنانچہ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ زمین کے کرۂ ہوا کے بالائی حصہ مین زیادہ تر نائٹروجن ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص طیف نما کے ذریعہ زمین کو زہرہ کی سطح سے دیکھے، تو وہ بجا طور پر یہ قیاس کرسکتا ہے کہ کرۂ ارض پر بھی کوئی زندگی نہین

مریخ کی مشہور "نہرون" کا مسئلہ ابھی تک مختلف فیہ ہے، اگرچہ آج بہت کم ہیئت دان ان کو مصنوعی تسلیم کرتے ہین، اس مین شبہ نہین کہ متعدد اہم باتون مین مریخ کرۂ ارض سے بہت مشابہ ہے، مثلاً مریخ کی گردش محوری کی مدت بھی ۲۴ گھنٹہ ہے، اس لئے اس کے دن و رات کی طوالت بھی تقریباً اتنی ہی ہے جتنی کرۂ ارض کے، موسم سرما مین اس کے قطبین مین بھی برف جمع ہو جاتی ہے، اور پھر موسم بہار مین گلنے لگتی ہے، موسم گرما مین اس کے استوائی حصون مین نباتات کی علامتین نمایان طور پر دکھائی دینے لگتی ہین، علاوہ برین اس کا بھی ایک کرۂ ہوا ہے، اور کبھی کبھی اس مین بادل بھی نظر آجاتے ہین، مشابہت کی ان مثالون کے باوجود دونون سیارون کے حالات مین اختلاف بھی بہت زیادہ ہے، رصدخانہ ماؤنٹ ولسن کی جدید ترین تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ کے کسی ایک ٹکڑے کے اوپر آزاد آکسیجن کی جو مقدار ہے، وہ کرۂ ارض کے اتنے ہی بڑے ٹکڑے کے آکسیجن کے ہزارون حصہ سے زیادہ نہین ہو سکتی، اسیطرح اگرچہ مریخ مین بھی آبی بخار موجود ہے، تاہم کرۂ ارض کے مقابلہ مین اسکی مقدار بہت ہی کم ہے، پھر یہ کہ اسکا ٹمپریچر انتہائی درجون تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ مریخ آفتاب سے قریب ترین سیارہ ہے، تاہم اسکا موسم کسیقدر سرد ہی رہتا ہے، یعنی خطوط سرطان و جدی کے درمیانی خطون مین بھی تقریباً (۶۰) درجہ فارنہائٹ شب مین یہ صفر سے (۴۰) درجہ نیچے آجاتا ہے،

مشتری کے متعلق بعض ہیئت دانون کی رائے تھی کہ اسکی سطح پر اتنی حرارت موجود ہے کہ زندگی قائم رہ سکتی ہے، لیکن اب رصدخانہ لاول کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سلائفر نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ مشتری اور زحل دونون سیارون کے کرۂ ہوا کا بالائی حصہ زیادہ تر میتھین اور امونیا سے مرکب ہے، میتھین ایک دھماکا پیدا کرنیوالی اور اڑا دینے والی گیس ہے، جسے دلدلی گیس بھی کہتے ہین، امونیا ایک مشہور گیس ہے، جن لوگون نے اسے سونگھا ہے، وہ اندازہ کرسکتے ہین کہ مشتری اور زحل پر زندگی کیونکر گذر سکتی ہے، ان سیارون کے ہوائی کرون مین آکسیجن نہین پایا گیا ہے، اگر آکسیجن موجود ہوتا تو ایک بہت بڑے دھماکے کا ہونا لازمی تھا کیونکہ آکسیجن اور میتھین کے باہم ملنے سے سخت دھماکا پیدا ہوتا ہے،

(لٹریری ڈائجسٹ) "ع ز"

اخبارِ علمیہ

امریکہ مین سینما کا بائیکاٹ

سینما کی حیا سوز تصویرون کو دیکھکر بالآخر امریکہ کی شوخ نگاہین بھی نیچی ہوگئین، کلیسائے کیتھولک کے سر آوردہ ارکان نے اس فساد کی اصلاح کے لیے ایک انجمن حزب الحیار (LEGIONOFDECENCY) کے نام سے قائم کی ہے جس کے صدر آرچ بشپ جان میک نکولس (JOHN MC. NICHOLAS) ہین، اور دو کروڑ کیتھولک عیسائیون کو ایک عہدنامہ کے ذریعہ سینما کے بائیکاٹ کی ترغیب دی ہے، اس عہدنامہ پر دستخط کرنے والے عہد کرتے ہین کہ وہ اپنے گھرون اور کیتھولک ادارون کے علاوہ اور تمام جگہون کی متحرک تصویرون سے اجتناب کرینگے، پروٹسٹنٹ اور یہودی فرقون کے پیشوا بھی اس تحریک مین شریک ہوگئے ہین، امید کیجاتی ہے کہ دوسرے تمام فرقون کی شرکت بھی جلد حاصل کرلیجائے گی، اور یہ بائیکاٹ جو عنقریب امریکہ کے طول و عرض مین پھیل جانے والا ہے، دنیا کے دوسرے ملکون مین بھی جاری ہو جائیگا، امریکہ مین سینما دیکھنے والون کا اوسط تخمیناً سات کروڑ ستر لاکھ فی ہفتہ ہے، جن مین سے دو کروڑ تیس لاکھ تماشائیون کی عمرین اکیس سال سے کم ہین، تحریک بائیکاٹ کی کامیابی سے سینما کمپنیون کو جو خطرہ ہے، اسکا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ ان کمپنیون کی ایک منتخب کمیٹی نے آرچ بشپ آف سینٹ لوئی سے یہ استدعا کی ہے کہ ارکان حزب الحیار کو مہذب تصویرین دیکھنے کی اجازت دیدیجائے، لیکن آرچ بشپ موصوف نے جواب دیدیا ہے کہ یہ اس وقت ممکن ہے جب بجز پاکیزہ تصویرون کے اور کسی قسم کی تصویر سینما گھرون مین نہ دکھائی جائے، اگر ان مین اچھی اور بری دونون قسم کی تصویرین

دکھائی جائینگی تو ہم اپنی جماعت کو دونون سے روک دینگے، جب تک بری تصویرین بالکل نکال نہ دیجائین اچھی تصویرین بھی ان کے ساتھ رہنے سے خراب ہو جائین گی"

امریکن سینما کی اُن تصویرون کے خلاف جن مین امریکہ کی خانگی زندگی کا نقشہ دکھایا گیا ہے، چین، جاپان، ترکی، اور متعدد یورپین ممالک نے احتجاج کیا ہے اور حیرت ظاہر کی ہے کہ تہذیب جدید کے اس علمبردار نے اپنے آپ کو تمامتر عیش پرستی اور فحاشی کی نذر کر دیا ہے، ان شکایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کے ایک نمایندہ ریمنڈ کینن (RAYMOND CANNON) نے امریکہ کی مجلس ملی کے سامنے ایک تجویز پیش کی ہے کہ جو تصویرین اخلاقی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہین ان کا داخلہ ایک ریاست سے دوسری ریاست مین قانوناً ممنوع قرار دیدیا جائے، اس تجویز سے سینما کمپنیون مین ایک نمایان تشویش پائی جارہی ہے، اور وہ کلیسا کے بائیکاٹ سے زیادہ حکومت کی نگرانی سے خائف نظر آرہی ہین،

بجلی کی دوہری چمک

گذشتہ اپریل مین کیپ ٹون یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) کے مشہور سائنس دان پروفیسر شان لینڈ (SCHONLAND) نے ایک جلسہ مین اپنی دریافت بیان کی تھی کہ بجلی کی چمک دوہری ہوتی ہے،

اب امریکہ کے تین سائنس دانون مسٹر لوائڈ (W.L.LLOYD) مسٹر میک ایکرون (K.B.MC-EACHRON) اور مسٹر میک مورس (W.A.MC-Morris) نے تازہ ترین تحقیق کے ساتھ ان کے بیان کی تصدیق کی ہے، اور ایک خاص قسم کے نو ایجاد کیمرے سے بجلی کی تصویرے کر یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اس کی چمک دوہری ہوتی ہے، ان تصویرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چمک سے پہلے ایک باریک برقی خط بادل سے زمین کیطرف آتا ہے، اس کی رفتار (۱۴) سے (۱۸) فٹ فی مائکرو سکنڈ یعنی ایک سکنڈ کا دس لاکھوان حصہ ہوتی ہے، اس کے بعد فوراً ہی ایک زبردست کڑک ہوتی ہے، اور بجلی پہلے خط کے راستہ پر زمین سے بادل کیطرف جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اس دوسری چمک کی رفتار پہلی چمک سے آٹھ دس گنا زیادہ ہوتی ہے،

سائنس اور کلچر،

انگلستان کے بعض اکابر فلسفہ و سائنس نے موجودہ سائنس اور کلچر پر کتابون کا ایک سلسلہ مرتب کرنا شروع کیا ہے جس کی پہلی جلد "سائنٹفک تحقیق اور معاشی ضروریات" (SCIENTIFIC RESEARCH & SOCIAL NEEDS) کے عنوان سے پروفیسر جولین ہکسلے کے قلم سے نکل کر ابھی حال مین شائع ہوئی ہے، اور رسالہ لٹریری گائڈ نے اسپر ایک نوٹ لکھا ہے، اس سلسلہ کا مقصد جدید دنیائے فکر و عمل کی تصویر پیش کرنا ہے جس کی تشکیل آج سائنس کے ہاتھون ہورہی ہے، پروفیسر ہکسلے کی تصنیف سائنس کے گذشتہ کارنامون کا ذکر کرنے کے بعد نوع انسانی کی آیندہ ترقی کے لئے اس کی ضرورت اور بہبود و فلاح انسانی کے لئے اسکی ناگزیری بیان کرتی ہے، اس سلسلہ کی ہر جلد جدید خیالات کے کسی ایک پہلو سے متعلق ہوگی، اور پورا سلسلہ بحیثیت مجموعی سائنس کی ہمہ گیر وسعت پر مشتمل ہوگا، اس کی جدید ترین تحقیقات کو پیش کرے گا، اور وہ طریقے بتائے گا جن سے مزید ترقی کی امید ہے، اس سلسلہ کی ادارت پروفیسر لیوی نے قبول کی ہے،

شہاب ثاقب سے متعلق جدید معلومات

حال مین کئی بڑے بڑے ستارون کے ٹوٹ کر گرنے سے شہابون کی تحقیق و تفتیش بہت سرگرمی کے ساتھ کی جارہی ہے اور اس سلسلہ مین بعض اہم مسائل سامنے آرہے ہین جنمین سے ایک سوال آواز اور روشنی کی رفتار سے متعلق بھی پیدا ہوگیا ہے، اب تک روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے بہت زیادہ تیز تسلیم کی جاتی تھی، لیکن اب یہ سوال پیدا ہوگیا ہے کہ کیا دونون کی رفتار برابر ہے، اس سوال کا سبب یہ ہے کہ بہتیرے قابل وثوق شاہدون نے بیان کیا ہے کہ شہاب ثاقب ہوا مین سو میل یا اس سے زیادہ کی دوری پر تھا جب ہی انھون نے اس کی سنسناہٹ سنی تھی اور بعض اوقات اس سنسناہٹ ہی کو سنکر ان کی توجہ گرنے والے ستارہ کی طرف مبذول ہوئی تھی،

شہابون کے متعلق جدید تحقیق سے ایک چیز یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ شہابی مواد ہر روز کثرت کیساتھ زمین تک پہنچتا رہتا ہے، چنانچہ امریکہ صغریٰ سے جو اینٹ آرٹک (ANTARTIC) مین واقع ہے، شہادت آئی ہے کہ ایک ارب بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ چھوٹے چھوٹے شہابے ہر روز زمین کے ہوائی کرہ مین گرفتار ہوتے رہتے ہین،

مردون اور زندون کی گفت وشنید

برطانیہ کے مشہور سائنس دان سر آلیور لاج کا ایک مضمون رسالہ سنڈے گرافک مورخہ ۲۹ جولائی ۳۴ء مین چھپا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ مردون اور زندون کے درمیان گفت وشنید کا تعلق "دورخیالی (TELEPATHY) کے ذریعہ ممکن ہے، کیونکہ جو شخص مرچکا ہے وہ جسمانی اعضاء سے محروم ہوچکا ہے، اور اگر اپنے کسی عزیز کو کسی واقعہ سے مطلع کرنا چاہے تو اُسے دقت محسوس ہوتی ہے، تاہم دورخیالی کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے"

کچّی اور پکّی غذائین

اب تک ایک بڑی جماعت قائل تھی کہ جسم کی طاقت اور توانائی کے لئے کچی غذائین پکی غذاؤن سے زیادہ مفید ہوتی ہین، لیکن جدید ترین تحقیق کے مطابق جو کولمبیا یونیورسٹی مین کی گئی ہے یہ خیال سائنٹفک تجربہ کے خلاف ثابت ہوا ہے، اور یہ دیکھا گیا ہے کہ پکی غذائین جسم کو زیادہ طاقت اور توانائی بخشتی ہین،

کرۂ زمین کی گہرائی،

کرۂ زمین کی موٹائی اور گہرائی کے متعلق ابھی تک مختلف قیاس آرائیان تھین لیکن اب ماہرین سائنس اپنے مختلف تجربون سے اس نتیجہ تک پہنچے ہین کہ کرۂ زمین کی سطح کی گہرائی اور موٹائی ایکہزار ۸ سومیل ہے، اس قیاس مین انھین زلزلون کے جھٹکون سے بھی مدد ملی ہے، جو بڑی سرعت رفتار کیساتھ سطح زمین کے اندر جاتے ہین، اور ایک ہزار ۸ سومیل پر جاکر رک جاتے ہین،

"ع ز"

ادبیات

کلام طاہر

از جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خانصاحب طاہر

بگوشِ او گزرِ آہِ بے نوائے نیست ۔۔۔ شکستِ شیشۂ دل را مگر صدائے نیست

گراز محبتِ خود بدگمان شوم چہ عجب ۔۔۔ رقیب ساختہ بودن کم از جفائے نیست

فدائے نیم نگاہش ہزار عشوہ و ناز ۔۔۔ کدام شیوہ کہ در ضمنِ یک ادائے نیست

رسیدنِ تو ندانستہ ناگہان بسرم ۔۔۔ مبارک است ولے حسبِ مدعائے نیست

بود معانقۂ عید رسم ناز و نیاز ۔۔۔ وگرنہ جلوۂ او باکس آشنائے نیست

پس از ہزار ستم یار بے وفا نبود ۔۔۔ بہ نیم شکوۂ من گو یداین وفائے نیست

ہزار وعدہ اگر بشکنی مرا چہ غم است ۔۔۔ کہ دانم این کہ سراین بندۂ بے خدائے نیست

تغافلِ تو گواہِ محبتِ تو بس است ۔۔۔ خوشم بطالع خود بے اثر دعائے نیست

گہے بطاہرِ دل خستہ یک نگاہِ کرم ۔۔۔ معاشرانہ سوالے است التجائے نیست

خونِ جگر

از جناب جگر مرادآبادی

اداجو آئے وہ بے عیب و بے قصور آئے ۔۔۔ خدا وہ دن نہ کرے، آپ کو غرور آئے

ذرا تو آنکھ کھلے، عقل مین شعور آئے ۔ ہم اپنے آپ مین آئین تو وہ ضرور آئے
گل کے عشق جو حدِ ادب سے دور آئے ۔ اُدھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے
جسے ذرا بھی، غمِ عشق پر غرور آئے ۔ ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے
چلون مین، راہِ محبت مین، بے نیازانہ ۔ مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصبور آئے
خود اپنی منزلِ دل، محو ہوتی جاتی ہے ۔ نظر مین جب سے مقاماتِ دور دور آئے
ہمین وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن؟ ۔ ہمین سرور نہ آئے، اُنھین سرور آئے
ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد ۔ جو دل ہی صاف نہ ہو، کیا جبین پہ نور آئے
زمانے تک تری گلیون کی خاک چھانی ہو ۔ مری نگاہ مین کیا جلوہ گاہِ طور آئے
کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا ۔ کہ جیسے حافظِ شیراز چور چور آئے
مجاز ہے کہ حقیقت یہان تو حال یہ ہے ۔ ترے حضور سے اُٹھے، ترے حضور آئے
انھین ہے عشق سے چشمک مگر یہ کون کہے؟ ۔ وہ خود حسین ہے، اُسکو نہ کیون غرور آئے
اجل جو آتی ہے آئے، مگر اسی صورت ۔ کہ جیسے زلفِ پریشان وہ رشکِ حور آئے
عجیب چیز ہے، میخانہ، تصور بھی ۔ یہان سے ہوش مین پہنچے، وہان سے چور آئے
نظر ہی اپنی، نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا ۔ سزا ملی ہے کہ ہم کیون ترے حضور آئے
وہین سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا کیا ۔ جہان سے ہو کے بہت لوگ ناصبور آئے
مری طرف سے بھی لے کاروانِ شوق سلام ۔ کہین جو راہِ طلب مین مقامِ طور آئے

ہزار بار لکھے تو، بہارِ نامۂ شوق
ترے بلائے جگر! آئے وہ ضرور آئے

مطبوعاتِ جدیدہ

تاریخ سلطنتِ خداداد

، از جناب محمود خان بنگلوری، ۵۰۴ صفحات، الللعہ، قیمت: - جناب محمد سراج الدین نمبر ۹۴، بلاکپلی روڈ، بنگلور۔

"تاریخِ سلطنتِ خداداد" میسور کی نامور سلطنت کے نامور بانی حیدر علی، اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان کی مکمل تاریخ ہے، یہ ایک طرف مواد اور دلائل اور دوسری طرف جوش و خروش اور عقیدت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے، تاریخ سلطنت خداداد کے مصنف اس سے پہلے تاریخ سلطان شہید کے نام سے ٹیپو سلطان کی سوانحعمری شائع کر چکے ہین، اب اس کتاب کے ذریعہ انھون نے حیدر علی اور ٹیپو، دونون کی سوانحعمریون اور جنگی و عمرانی کارنامون پر مشتمل مختلف ابواب آگے پیچھے بڑھا کر سلطنت کی تاریخ مکمل کر دی ہے، بلاشبہہ ان مجاہدین کے کارنامون سے اردو زبان اس وقت تک تہی دامن تھی، مصنف نے یہ بڑی کمی پوری کی، ترتیبِ کتاب مین مصنف نے فارسی اور انگریزی کے قریب قریب سب ماخذون سے فائدہ اٹھایا ہے، اور کوشش کی ہے کہ سلاطین کے کارنامون کے ساتھ ان کی حریف طاقتون یعنی انگریز، نظام، اور مرہٹون کے باہمی تمام ساز و باز کو کھول کر رکھدین، یہ کتاب ہندوستان مین انگریزون کے طاقت پکڑنے اور اسلامی سلطنتون کے زوال پانے کے اسباب کے سمجھنے مین بھی بڑی مدد دیگی،

ترجمہ و شرح کلیاتِ قانون

، از مولوی حکیم محمد کبیر الدین صاحب، استاذ طبیہ کالج دہلی ناشر دفتر المسیح، قرولباغ، دہلی، ضخامت ہر دو حصہ ۱۱۸۰ صفحہ

حکیم محمد کبیر الدین صاحب، طبی کتابون کی تالیف و ترجمہ کی مفید خدمت مین مصروف ہین، اس سلسلہ کی نئی کڑی شیخ بوعلی سینا کی ضخیم کتاب کلیات قانون کا ترجمہ مع ضروری حواشی و شرح ہے، حکیم صاحب موصوف

کو طبی کتابون کے اردو مین منتقل کرنے کا ایک خاص سلیقہ حاصل ہوگیا ہے، اس لئے اس کتاب کے فن کی اہم ومغلق کتاب ہونے کے باوجود، ترجمہ نہایت صاف، سلیس اور روان ہے، کتاب مین ایک جانب اصل عربی عبارت اور دوسری طرف اس کا ترجمہ درج ہے، اصطلاحات کی تشریح دہین پر قوسین مین کردی ہے، اور معانی ومطالب کی تشریح، کتاب کی مختلف مستند شرحون کے ترجمہ سے کی ہے، جن مین گیلانی کی شرح پر زیادہ اعتماد کیا ہے، نیز بعض مقامات پر اپنی ذاتی رایون اور معلومات کو بھی درج کیا ہے، مضامین کی فہرست بہ ترتیب حروفِ تہجی آخر مین منسلک ہے، اگر کتاب کے دیباچہ کے ان اوراق مین جہان ابواب وفصول کا ذکر ہے، اس اردو نسخہ کے صفحات قوسین مین درج کردیئے جاتے تو ابواب وفصول اور ترتیب مضامین کی فہرست بھی تیار ہوجاتی،

مرحوم دہلی کالج، از مولوی عبد الحق صاحب، بی اے، ۱۷۱ صفحات، تقطیع رسالہ اردو کی، عہ
انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

مولوی عبد الحق صاحب بی اے، نے رسالہ اردو کے کئی نمبرون مین دہلی کے مشہور مدرسہ، دہلی کالج پر مسلسل مضمون لکھے تھے، انھین اب کتاب کی شکل مین شائع کیا گیا ہے، مضمون پر از معلومات ہے، اس سے انیسوین صدی مین ہندوستان کی تعلیمی حالت پر روشنی پڑتی ہے، جس زمانہ مین کہ ہمارے قدیم مذہبی ادارے بند ہوتے ہین، اور انگریزی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، ہندوستان مین انگریزی تعلیم کے رائج کرنے کی جو کوششین کی گئین، حکومت کا ہندوستان مین تعلیم کے متعلق جو زاویۂ نگاہ رہا، اور جو حکمت عملی اختیار کیگئی، یہ سارے مباحث دہلی کالج کی تاریخ کے ساتھ ساتھ، اس رسالہ مین موجود ہین، اس طرح یہ گویا ہندوستان مین مشرقی کی مسندِ علم وفضل کے تہ کرنے اور "لکچر ہال" تعمیر کرکے میزون پر مغربی بساطِ تعلیم بچھانے کی ایک سرگذشت ہے،

خیالات مہاتما گاندھی، حجم ہر دو حصہ ۵۱۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ہر یک حصہ عہ، پتہ: جناب رفعت یار خان حکیم بلڈنگ، تیسری منزل، مومن پورہ، بمبئی نمبر ۸،

جناب سی ایف اینڈریوز کو گاندھی جی کی زندگی سے گہری دلچسپی ہے، جنوبی افریقہ مین دونون کا ساتھ رہ چکا ہے، موصوف نے اپنی اس انگریزی کی تصنیف مین گویا ان کے فلسفہ، مقصدِ زندگی، اور سیاسی مطمحِ نظر کو پیش کیا ہے، جو زیادہ تر ان کی تحریرون، تقریرون، اور عام وخاص مجلسون کی گفتگوؤن سے مقتبس ومرتب ہے، کتاب دو حصون مین ہے، پہلا حصہ "مذہبی ماحول" اور دوسرا "تاریخی ماحول" کے عنوان سے ہے، جس مین مختلف قسم کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور اجتماعی مسائل ومباحث پر ان کے خیالات ومعتقدات بیان کئے گئے ہین، موصوف کی یہ انگریزی کتاب یورپ سے شایع ہوئی، اور مقبول ہوئی، اس کا عربی ترجمہ بھی مصر سے شائع ہوچکا ہے، اب بمبئی کے کسی گمنام محبِ وطن نے اس کو سلیس اردو زبان مین منتقل کیا ہے، کتاب مختلف اعتبارات سے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے،

پیامِ سالک، از جناب پنڈت دیناناتھ معجز، دہلوی، بی اے، لال حویلی، محلہ چوڑیگران، دہلی،
قیمت مجلد عہ،

جناب پنڈت دیناناتھ معجز، دہلوی، بھگوت گیتا کے منظوم اردو ترجمہ کرنے مین کامیاب ہوچکے ہین، اب انھون نے "اشٹاوکر گیتا"، کا اسی طرح منظوم ترجمہ "پیام سالک" کے نام سے کیا ہے، دیباچہ مین دکھایا ہے کہ "اشٹاوکر گیتا"، کا زمانۂ تصنیف بھگوت گیتا سے قدیم ہے، اشٹاوکر جی، راجہ جنک کے زمانہ کے مشہور رشی ومنی تھے، اس گیتا کے ترجمے اس سے پہلے بھی اردو نظم ونثر مین ہوچکے ہین، جناب معجز نے سب ترجمون کے خصوصیات دکھا کر اس جدید ترجمہ کی ضرورت ظاہر کی ہے، ترجمہ کا طریقہ یون ہے کہ پہلے سنسکرت کے ہر منتر یا اشلوک کا پہلے ایک شعر مین ترجمہ کیا ہے، پھر اس منتر کی مکمل تشریح درج کی ہے، ترجمہ کی زبان صاف اور شیرین ہے، اور تصوف کے اسلامی اصطلاحات بھی استعمال کئے گئے ہین،

مختصر تاریخ عالم، از جناب سید حکیم احمد صاحب نقوی، ۱۶۰ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت: عہ
پتہ:- جناب سید امداد علی منیجر گوالیار لیڈر کمپنی، مرار، گوالیار،

مصنف نے دنیا کی مختصر تاریخ چھوٹے چھوٹے حصون مین لکھنے کا ارادہ کیا ہے، اس کا یہ پہلا حصہ ہے، جسمین عالم کائنات کے ظہور پذیر ہونے کی داستان بیان کی ہے، اس سلسلہ مین عالم ارض وسما، جمادات اور نباتات کی شکل پذیری دکھا کر ابتدائی آثار حیات دکھائے ہین، پھر حیات کی نشو ونما سے حیات انسانی کے تدریجی ارتقار وتغیرات تک کا بیان آیا ہے، مسائل ومباحث تقریبًا سب تحقیقات جدیدہ سے ماخوذ ہین، کتاب قابل قدر ہو، خدا کرے اس سلسلہ کی تکمیل ہو،

فانوس خیال

، از جناب نواب امین الدین احمد والی ریاست لوہارو، ۵۶ صفحات، عم مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی،

یہ ایک افسانہ ہے، جو ایک والی ریاست، کے قلم سے عام جذبات انسانی کی ترجمانی کرنے کے لئے لکھا ہے، فسانہ مین لڑکیون کی مرضی کے خلاف کسی جگہ شادی کر دینے کے تلخ نتائج دکھائے گئے ہین، اور اسی مین حسن وعشق کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے، فسانہ مین مشرقی ومغربی دونون تہذیبون، اور سوسائیٹیون کے جلوے نظر آتے ہین، اس کا ہیرو شرفار کے ایک قدیم مشرقی خاندان کا مغربی تعلیم یافتہ نوجوان ہے، جو اپنی اعلیٰ مغربی ویورپی تعلیم اور مغربی سوسائیٹیون مین رہنے کے باوجود مشرقی آداب تہذیب اور خیالات کا حامل ہے، مشرق ومغرب کا ایسا امتزاج دلآویز ہوتا ہے، اسی طرح مختلف معاشرتی واجتماعی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے، زبان سلیس اور روان ہے، امید ہے یہ فسانہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا، اور اس کی المیہ داستان عبرت آموزی کا سامان بہم پہنچائیگی،

سوز بیدل

، از جناب شیخ محمد دلاور خان بیدل، پشاوری، ۶۶ صفحات، عہ، پتہ:۔ دیوان خانہ بیدل، محلہ ملا فضل گذر گنج، پشاور،

جناب بیدل، پشاور کے باشندہ اور اردو زبان کے پرگو شاعر ہین، اگرچہ موصوف کا آبائی وطن سہارنپور ہے، مگر ننہال افغانون مین تھی، وہین پیدا ہوئے، اور وہین نشو ونما پائی، اس لئے مادری زبان

فارسی تھی، اور اسی مناسبت سے فارسی کے قادر الکلام شاعر ہین، لیکن آبائی وطن کی کشش سے زبان اردو کے دلدادہ ہوئے، اور اس زبان مین بچپن ہی سے شعر گوئی فرمانے لگے، "سوز بیدل" موصوف کے کلام کا مجموعہ ہے، جس مین غالب حصہ اردو کلام کا ہے، کلام مختلف اصناف سخن: غزل، مسدس، قصائد، در مدح شاہان افغانستان اور رباعیات اور قطعات تاریخ وفات وتقریبات پر مشتمل ہے، طرز شاعری تمامتر سادہ، بے نیاز تکلف اور تحسین وتزئین سے بے پروا ہے، دیوان کے آخر مین مقتدر اساتذۂ اردو حضرت ریاض خیرآبادی مرحوم، سائل دہلوی، صفی لکھنوی، اور آثم تلمیذ امیر مینائی وغیرہ کی تقریظین اور تاریخین درج ہین، اچھا ہوتا اگر یہ مجموعہ چھپنے سے پہلے ان مین کسی استاد کی نظر سے بھی گذر چکا ہوتا،

موتی

، از جناب سید یوسف بخاری، دہلوی، ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت: ۱۲؍ ناشر جناب سید محمد بخاری گلی امام، جامع مسجد دہلی،

یہ حکیمانہ وشاعرانہ اقوال کا مجموعہ ہے، ہر نتیجہ خیز مقولہ ایک گوہر آبدار ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام "موتی" رکھا گیا ہے، مقولے مشرقی ومغربی دونون قسم کے فلاسفہ، حکمار، وشعرار کے ہین، اور مختلف قسم کے مذہبی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی وجذباتی معانی کے حامل ہین، جناب مصنف نے اپنے مقدمہ مین ضرب الامثال واقوال کی تشریح اور مختلف قومون اور ملکون کے مقولون مین موازنہ کیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ ہر قول کے قائل کا پتہ دیا جاتا، اور حوالہ بتایا جاتا،

قرآن ایک معجز نما کتاب ہی

، از مولوی محمد عبد البصیر صاحب عتیقی آزاد، سیوہاروی، ناشر جناب سید حسن انیس بقائی، دفتر پیشوا، دہلی، ۸۰ صفحات، قیمت: ۶ر

اس رسالہ مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مصنف نے قرآن مجید کے اعجاز کو بہ دلائل ثابت کیا ہے، مولانا انور شاہ صاحب مرحوم اور مولوی اعزاز علی صاحب دیوبندی وغیرہ نے اس رسالہ کی تحسین کی ہے،

ہندوستانی کلچر

، از جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب ناشر دفتر کتاب الہدیٰ، ایلاپور مدراس، قیمت ۸ر

جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے میسور اسٹیٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مین بحیثیت صدر خطبۂ صدارت پڑھا تھا، جس

مین مختلف تعلیمی مسائل کے ساتھ زیادہ تر ہندوستانی تہذیب وتمدن کے عنوان پر گفتگو کی ہے، وہی خطبہ "ہندوستانی تہذیب" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس مین موصوف نے دکھایا ہے کہ ہندوستانی زبان یعنی اردو اور عام موجودہ ہندوستانی تہذیب کو اسلامی زبان اور اسلامی تہذیب سے موسوم کیا جارہا ہے، یہ صحیح نہین، ہندوستان کی تہذیب نئے نئے فاتحین سے بنتی اور بدلتی رہی، اب دراصل ہندوستانی زبان یعنی اردو اور ہندوستانی تہذیب وہی تہذیب ہے جسے عرف عام مین ہندوستان مین اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے،

اسلام اور غلامی، مصنفہ جناب میان سلطان احمد جودی، ناشر منیجر نظامیہ بکڈپو، بٹالہ پنجاب، قیمت ۴ر

اس رسالہ مین ہندوستان کے باشندون کو اپنی سیاسی غلامی سے نکلنے کی دعوت دیگئی ہے، اور ثبوت ودلائل مین، اسلام وپیغمبر اسلام علیہ السلام کے رسم غلامی کے استیصال کرنے کو پیش کیا گیا ہے، ہمین نفس مقصد سے اختلاف نہین لیکن غلامون کی "اصطلاحی غلامی" اور ہے، اور سیاسی محکومی اور شے، جسے استعارۃً "غلامی" کہا جاتا ہے، تشبیہ و استعارہ کو اصل واقعہ قرار دینا صحیح نہین، آزادی ہند کی کوششین ضرور ہون لیکن یہ تحریک ان دلائل کی محتاج نہین، اسلام مین "سیاسی محکومی" کے متعلق بہت کچھ موجود ہے، اُسے نمایان کیجئے،

جمال الدین افغانی، از جناب قاضی عبدالغفار صاحب ناشر مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی، حجم ۔ صفحے قیمت ۱ر

قاضی عبدالغفار صاحب نے اردو اکاڈیمی جامعہ ملیہ کے اجلاس مین جمال الدین افغانی کی سیرت پر ایک مقالہ پڑھا تھا جو اسی نام سے شائع ہوا ہے، اس مین موصوف کے مختصر سوانح حیات کے ساتھ ان کی سیرت کے مختلف پہلوؤن پر نقد کیا گیا ہے،

خطبات، از مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی، امام جامع مسجد، مونگیر، حجم ۳۶ صفحے، قیمت ۲ر، مرتبہ: مولوی محمد رفیق اللہ صاحب سفہ جامع مسجد، مونگیر،

یہ رسالہ چند خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے، جن مین قرآن مجید کی اس آیت لاینکح الزانی الا الزانیۃ، الآیۃ اس غلط استدلال کی تردید کیگئی ہے، کہ زانی کا نکاح بجز زانیہ کے کسی سے درست نہین، اور زنا کے بعد نکاح فسخ ہوجاتا

ہے، یہ فتنہ مونگیر مین کسی نومسلم کا اٹھایا ہوا ہے، اور اسی لئے مقامی طور پر اس رسالہ کے ذریعہ اسکے انسداد کی ضرورت پیش آئی

رازِ نماز، مؤلفہ مولانا احمد ایم اے، ناشر انجمن تبلیغ الاسلام، نواب گنج، دہلی، حجم ۴۳ صفحے،

رسالہ "رازِ نماز" مین نماز و متعلقاتِ نماز کی خوبیان اور فوائد دلنشین انداز مین بیان کئے گئے ہین، رسالہ افادۂ عام کے لئے انجمن مذکورۂ بالا کیجانب سے شائع کیا گیا ہے، اور مفت مل سکتا ہے،

گلدستۂ تبلیغ، مرتبہ جناب حکیم عبدالحمید صاحب ناشر ادارۂ اصلاح نوجوانان لاہور، حجم ۔ صفحے قیمت

لاہور مین ایک اصلاحی ادارہ "ادارۂ اصلاح نوجوانان" قائم ہے، اس کے سالانہ جلسہ مین تبلیغ اسلام کے موضوع پر مختلف تقریرین اور نظمین پڑھی گئین، ان کا مجموعہ گلدستۂ تبلیغ کے نام سے شائع ہوا ہے،

جلوۂ سبحانی، مرتبہ جناب رہنما و تاج، صاحبان، شائع کردہ انجمن اسلامیہ گونتی ضلع فتحپور، ۔ صفحے

سہسرام کے ایک باہمت مسلمان سید شاہ سبحان احمد صاحب پاپیادہ حج کو نکلے ہین، اور التزام یہ رکھا ہے کہ ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل ادا کرین، یہ کام اسلامی نقطۂ نظر سے جیسا کچھ ہو، لیکن وہ جہان جہان سے گذرے، مسلمانون نے ان کی پذیرائی کی، اس رسالہ مین موصوف کے سوانح حیات کے ساتھ ان کے مقام گونتی ضلع فتحپور پہنچنے اور ان کے استقبالیہ جلسون وغیرہ کی روداد کا تذکرہ ہے، اور استقبالیہ نظمین اور رباعیان درج ہین، رسالہ کا دیباچہ الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر زبید احمد صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے لکھا ہے،

نمازِ عشق، از جناب شفق رضوی، عمادپوری، ۱۸ صفحے، ناشر مولوی غلام مصطفی جذب جائسی مدرسہ سبحانیہ، الہ آباد،

یہ ایک مسدس نظم ہے، جو جناب سید سبحان احمد صاحب سہسرامی موصوف کی شان مین الہ آباد کے ورود کے موقع پر پڑھی گئی، اور علیحدہ طبع کرائی گئی،

تدابیر ترقی، مؤلفہ جناب کامل بی اے، جونپوری، پبلشر منیجر صاحب برق، جونپور، حجم ۔ صفحے قیمت ۔

اس رسالہ مین بیکار نوجوانون کو کوئی نہ کوئی شغل اختیار کرکے، روزی کمانے کی تدبیرین بتائی گئی ہین اور

اسی غرض سے اس مین مختلف پیشون اور صنعتون کے طریقے، اور ان کے نسخے درج ہین، رسالہ کارآمد ہے،

بچون کی کتاب، از جناب حامد علی بی لے، ال ٹی، حجم ۲۰ صفحے، قیمت ۴ر، پتہ:- مکتبہ جامعہ دہلی

یہ بچون کے لئے ایک مفید اور کارآمد رسالہ ہے، جس مین ایک لڑکے اسد کو ہیرو قرار دیکر مختلف عنوانون سے الگ الگ چھوٹے چھوٹے قصّے اور مضمون درج ہین، اور اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سب مضامین ایک سلسلہ مین مربوط رہین، کہین کہین اسباق کا خلاصہ اردو نظم مین بیان کیا گیا ہے، جو بچون کے لئے زیادہ دلچسپ ہوگا، لکھائی چھپائی بچون کے مناسب ہے،

ریحانِ حمید، از جناب مولوی حمید الزمان خانصاحب حمید شاہجہان پوری، حجم ۸۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، مطبوعہ آگرہ اخبار، آگرہ، قیمت اور پتہ درج نہین،

"ریحانِ حمید" کے نام سے مصنف کے فارسی غزلیات قطعات، ایک فارسی خط، اور چند اردو غزلون کا مجموعہ شائع ہوا

انتخاب مصحفی، مرتبہ مولوی سید حبیب احمد صاحب آفق کاظمی، ناشر منیجر کتب خانہ حبیبیہ محلہ گنگوئی امروہہ، یوپی، حجم ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۴ر

شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے چھ دیوانون کا یہ مختصر انتخاب ردیف وار تیار کیا گیا ہے،

رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر، گذشتہ مہینہ مین اردو کے رسالون کے خاص نمبرون پر تبصرہ کرنے کے بعد رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر ملا، جو بڑے اہتمام سے تیار کیا گیا ہے، ادارہ ہمایون نے افسانہ کے لئے انعامی مقابلہ کا اعلان کیا تھا، تین افسانے مقابلہ مین منتخب ہوئے، جنھین ۲۵، ۲۵ اور ۵ کی رقمین بطور انعام دی گئین، یہ افسانے بھی اس نمبر مین چھپے ہین، ان کے علاوہ اکثر افسانے غیر زبانون سے ماخوذ ہین، ضرورت ہے کہ آیندہ مقابلہ مین طبع زاد افسانہ کی شرط لگائی جائے کہ ہمارے نوجوان ادیبون کی جودتِ طبع کا حال بھی معلوم ہو، افسانے قریب قریب سب کے سب اچھے ہین، اس نمبر کی قیمت ۱ر اور رسالہ کے خریدارون کو اُنھی سالانہ قیمت صر مین یہ بھی ملیگا، پتہ:-

منیجر رسالہ ہمایون نمبر ۲۳، لارنس روڈ، لاہور،

دار المصنفین کی ادبی کتابین

شعر الہند حصۂ اول، جس مین قدماء کے دور سے لے کر [illegible] دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات [illegible] تفصیل کیگئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت:- للعہ، از مولنٰنا عبد السلام ندوی

حصہ دوم۔ جس مین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی [illegible] حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت [illegible] ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

[illegible] گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح [illegible] حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا [illegible] مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیون [illegible] ذکر کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک [illegible] ضخامت ۴۸۵ صفحے، قیمت:- صہ، از مولنٰنا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلی،- مولنٰنا شبلی مرحوم کے دوستون [illegible] اور شاگردون کے نام خطوط کا مجموعہ، جسمین مولنٰنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی تحقیقات [illegible] ہو، حقیقت مسلمانون کی تیس برس کی تاریخ [illegible] جلد دوم،

حصہ اول، ضخامت ۴۲۹ صفحے، قیمت:- عہ ۱۲

حصہ دوم، ضخامت ۲۶۱ صفحے، قیمت:- عہ ۱۲

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولنٰنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو مین فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیون کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو مین اپنے فن مین یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت سے ۲ر

کلیات شبلی اردو، مولنٰنا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمین، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- ۱۲ر

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ہے، حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس مین ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز مین بیان کی گئی ہے، ۲ر کے ٹکٹ بھیجکر طلب کرین، (از مولنٰنا ریاست علی ندوی)